بسم اللہ الرحمن الرحیم

والعصر ان الانسان لفی خسر ۞

جامعہ عثمانیہ پشاور کا ترجمان

ماہنامہ

العصر

پشاور پاکستان

مدیر مسئول

مفتی غلام الرحمن

مئی ۱۹۹۵ء - ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

جامعہ عثمانیہ

نوتھیہ روڈ ۞ پشاور

Scanned with CamScanner

سلسلۂ مطبوعات ۵

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ

(القرآن)

قربانی

اور اُس کی اہمیت

قربانی کی شرعی حیثیت، اہمیت، ضرورت اور فضیلت ○ فلسفہ اور فوائد وثمرات کی دلنشین تشریح ○ ضروری مسائل اور آداب و مستحبات کا بیان ○ بعض جدت پسندوں کے اشکالات کے جوابات ○ احکام عیدین و ذبح اور دیگر کئی اہم مباحث کا تفصیلی جائزہ ○ خطباء، علماء اور عام لکھے پڑھے حضرات کے لیے ایک نادر تحفہ.

تالیف: مُفتی حفیظ الرحمٰن

افتتاحیہ: شیخ القرآن مولانا سعید الرحمٰن (خطیب صاحب) اوگی

پیش لفظ: مولانا مفتی غلام الرحمٰن دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

○

دار التصنیف و التالیف دار العلوم سعیدیہ اوگی

ضلع مانسہرہ ○ صوبہ سرحد (پاکستان)

جامعہ عثمانیہ پشاور کا ترجمان ماہنامہ

العصر
پشاور پاکستان

مئی ۱۹۹۵ء ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
جلد ۱ شمارہ ۵

مجلس ادارت
• - سرپرست: شیخ الحدیث مولانا سید شبیر علی شاہ پی ایچ ڈی مدینہ منورہ
• - مدیر مسئول: مفتی غلام الرحمن
نائب مدیر: مولانا ذاکر حسن نعمانی
ناظم: مفتی فضلِ خالق

فہرست مضامین

١- صدائے عصر — مدیر مسئول — ٢
٢- مطالعۂ قرآن — مولانا سید شبیر علی شاہ صاحب — ٥
٣- درسِ وفا — مدیر مسئول — ١٠
٤- موت کے چند فکر انگیز مناظر — ڈاکٹر نور محمد نور — ١٢
٥- قربانی کے چند مسائل — مفتی غلام الرحمن — ١٨
٦- اسلامی عہد کے کتب خانے — محمد حفیظ اللہ پھلواری — ٢٥

بدل اشتراک
٦ روپے
سالانہ
اندرون ملک: ٥٠ ”
بیرون ملک: ١٠ ڈالر

رابطہ
دفتر: ٠٥٢١-٢٧٢٥٦١
: ٠٥٢٢٩-٧٦١

خط و کتابت:
ماہنامہ العصر پوسٹ بکس نمبر ١٢٠٩
جامعہ عثمانیہ پشاور کینٹ پاکستان

ترسیل زر:
ماہنامہ العصر اکاؤنٹ نمبر ٧٨٨
یونائیٹڈ بینک
مسجد روڈ پشاور صدر

پبلشر: مفتی غلام الرحمن
طابع: منظور عام پریس پشاور
مقام اشاعت: جامعہ عثمانیہ نزد
خان ترتیبہ روڈ پشاور صدر

Scanned with CamScanner

مسئلہ کشمیر پر امریکی ثالثی

دورۂ امریکہ کے موقعہ پر پاکستان کی وزیر اعظم صاحبہ نے "ورلڈ افیئرز کونسل" کی طرف سے اپنے اعزاز میں دیئے گئے ظہرانے میں اپنے ہم منصب بھارتی وزیر اعظم سے کہا کہ وہ مسئلہ کشمیر کے تصفیہ کے لئے امریکہ کی جانب سے ثالثی کی پیش کش کو قبول کرے۔ آپ کے دورہ سے قبل بھی کوشش ہو رہی تھی کہ وزیر اعظم صاحبہ امریکہ کی خدمت میں یہ درخواست پیش کرے۔ چنانچہ واشنگٹن میں پاکستان کی سفیر ڈاکٹر ملیحہ لودھی نے دورہ سے پہلے ہی کہا تھا کہ وزیر اعظم صاحبہ کشمیر پر امریکہ کو ثالثی کے لئے کہیں گی۔

امریکہ کو مسلمانوں کے اس نازک مسئلہ پر ثالثی کا حق دینے سے فوری طور پر جو رد عمل سامنے آیا۔ وہ یہ ہے کہ امریکہ نے مسئلہ کشمیر کو متنازعہ مسئلہ کی حیثیت سے تسلیم کیا۔ یہی وہ قابل فخر سرمایہ ہے۔ جس سے سرکاری حلقے وزیر اعظم صاحبہ کے دورہ امریکہ کی کامیابی کا معیار سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کلنٹن کا کشمیر کو متنازعہ مسئلہ تسلیم کرنا پاکستان کی بڑی فتح ہے۔

معلوم نہیں کہ قیام پاکستان سے لے کر اپریل ۱۹۹۵ء تک امریکہ کا کشمیر کے بارے میں کیا موقف تھا؟ اس مدت دراز میں سرد و گرم تعلقات اور نشیب و فراز کے ادوار میں امریکہ دوستی کی دعویداری کے باوجود مسئلہ کشمیر کی حقیقت سے نابلد رہا۔ چلو! شکر ہے! کہ ابھی بات ذہن میں بیٹھ گئی۔ دیر آید درست آید۔ اب بھی اگر امریکہ بہادر نہ مانتا۔ تو ہمارے پاس منوانے

Scanned with CamScanner

لئے کونسی طاقت تھی؟

یہ تو مستقبل میں دیکھا جائے گا کہ کشمیر کو متنازعہ تسلیم کرنے کے بعد پاکستان پر فتوحات کے کون سے دروازے کھلیں گے؟ اور اس سے وادیٔ کشمیر کے دلسوز مظالم اور دھند و درندگی میں کون سی کمی آئے گی؟ لیکن امریکہ کو ثالثی کا یہ حق دینا ایک بے معنی کوشش ہے۔ ثالث ایسا ہونا چاہیئے جو فیصلہ کرتے وقت ذاتی مفاد کو بالائے طاق رکھ کر طرفین کی خیر خواہی کا جذبہ رکھے۔ امریکہ سے یہ توقع رکھنا سعی لاحاصل ہے۔ کیونکہ امریکہ ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کرتا ہے کہ امریکہ کو بھارت یا پاکستان کے مفادات سے کوئی سروکار نہیں بلکہ امریکہ کو اپنے مفادات عزیز ہیں۔

برصغیر کے خطہ میں امریکہ کو یہ موقعہ دینا علاقائی تناظر کے اعتبار سے بھی درست نہیں کیونکہ ہمارے پڑوس میں ایران اور چین جیسے ممالک واقع ہیں۔ ہم ان سے مثالی دوستی کے دعویدار ہیں۔ جب کہ امریکہ دونوں کا دشمن ہے۔ اس لئے پڑوسی ممالک سے تعلقات لازمی طور پر اس سے متاثر ہوں گے۔ چنانچہ ایران کے صدر جناب علی اکبر ہاشمی رفسنجانی نے بھارت کے دورہ میں اس پر غم و غصے کا اظہار کر کے کہا کہ کشمیر علاقائی تنازعہ ہے۔ ہم ثالثی کو تیار ہیں۔ امریکی سامراج کو مداخلت کا موقعہ نہ دیا جائے۔

علاوہ ازیں امریکہ کو ثالثی کی درخواست کرنا کشمیر کے بارے میں ہمارا کلہ نصف صدی سے مضبوط اور مدلل مؤقف سے روگردانی کے مترادف ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ کشمیر کو اپنی قسمت کے فیصلہ کا خود اختیار دیا جائے۔

اقوام متحدہ اور شملہ معاہدہ کی روشنی میں یہ حل کیا جائے۔ کشمیر پر
بھارت کا قبضہ غاصبانہ ہے۔ کشمیریوں کو اگر ایسا موقعہ دیا جائے۔ تو وہ ایک
دن کے لئے بھارت کے زیر سایہ رہنا پسند نہیں کرتے۔ لیکن ثالثی میں "کچھ دو
اور کچھ لو" کا معاملہ ہوتا ہے۔ جس سے فریق مخالف کی حیثیت تسلیم ہوتی ہے
ایسا نہ ہو کہ ثالثی کے نعرہ بلند کرنے سے بھارت کے اس مؤقف کو تقویت
ملے کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔

خطہ کشمیر پر امریکہ کی چودھراہٹ کو موقعہ دینے سے جس خطرناک تصویر
کی نشاندھی ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ امریکہ اس میں فلسطین کی تاریخ نہ
دھرائے۔ جس نے عربوں اور اسرائیل سے اختیار لے کر ثالث کا کردار کا جو مظاہرہ
کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ معلوم نہیں کب تک عرب اسرائیل کی غلامی
میں رہیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ امریکہ ثالثی سے فائدہ اٹھا کر پاکستان اور بھارت
سے مقبوضہ اور آزاد کشمیر لے کر مستقل سٹیٹ بنا کر پورے ایشیا کی نگرانی
کے لئے اپنا اڈہ بنائے۔

مذھبی نقطۂ نظر سے بھی ایک مسلمان حکومت کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ
غیر مسلم کے سامنے اپنے معاملات سپرد کرنے کی تجویز پیش کرے
امریکہ موجودہ وقت کا عظیم طاغوت ہے۔ اس کی کچہری میں اپنے
مقدمات لے جانا تحاکم الی الطاغوت کے مترادف ہو کر اسلامی تشخص
سے بغاوت کا اعلان ہے۔

غلام الرحمٰن عفی عنہ
۲۸/۱۱/۱۵ء

Scanned with CamScanner

حضرت مولانا سید شبیر علی شاہ المدنی
پی ایچ ڈی مدینہ منورہ

تفسیر سورۃ العصر (قسط ۲)

اگر زمانہ سے رحمتِ دو عالم، زینتِ کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد مبارک، دورِ منوّر مراد ہو تو پھر انسان سے مراد مشرکین مکہ اور کفار عرب، یہود و نصاریٰ ہیں کہ آفتاب رسالت کا عہد میمون، خیر القرون جو ہزاروں معجزات سے معمور ہے اور وحی الٰہی کے انوار و تجلیات سے مقربین بارگاہِ نبوت کے قلوب منوّر ہو رہے ہیں۔ اسلام کا دائرہ دن بدن وسیع ہوتا جا رہا ہے، مشرکین مکہ اپنی جہالت و گمراہی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ان کے قریشی برادری کے ہم پلہ، ہم کفاوت بلکہ ان سے بلند رتبہ اکابر و سادات حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جیسے عبقری شخصیات رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہہ کر مشرف باسلام ہوئے، اپنی ذہانت و فراست اور عقل و دانش سے کام لے کر انسانی ہاتھوں کے تراشیدہ بتوں کی الوہیت و ربوبیت سے برات اختیار کر لی اور اصنام و اوثان کی پرستش سے تائب ہو کر رب السموات والارضین جل جلالہ کی عبادت سے سرفراز ہوئے، کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکل کر توحید کے انوار و برکات سے مالا مال ہوئے۔ ان بخت بلند سعادت مند صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنگت و صحبت کو اپنے لیے سرمایۂ نجات سمجھا اور اپنی قوم میں اپنے اعلیٰ مراتب و مناصب اور ارفع امتیازات کو پس پشت ڈال کر آپ کے طوقِ غلامی کو اپنی شرافت و کرامت کا تاج اعزاز سمجھا، حالانکہ ان اکابر صحابہ کو بخوبی معلوم تھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنا مشرکین و کفار کے وحشیانہ ظلم و ستم، جبر و استبداد کو دعوت دینے کے مترادف ہے، اور آپ کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا گوناگون آلام و مصائب کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں چھلانگ

لگاناہی تو ہے ۔ ابتدائی دور نبوت میں ان پاک سیرت سابقین کو معلوم تھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی حکومت وسلطنت ہے نہ دولت وسطوت، نہ فوج ہے نہ اسلحہ، بلکہ اس محبوب رب العالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو تو جبّارین مکہ نے محض کلمۂ حق لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے پاداش میں ہر قسم کی اذیت رسانی کا نشانہ بنالیا ہے اور اس ذاتِ اقدس پر ایمان لانے والوں کو آگ کے انگاروں پر مکہ مکرمہ کی آگ بگولہ چٹانوں پر لٹایا جاتا ہے، اور ان کے پاؤں میں رسیاں باندھ کر مکہ مکرمہ کے پہاڑی راستوں میں گھسیٹا جارہا ہے ۔ رؤف حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گردوپیش، دائیں بائیں، آگے پیچھے کوئی مادی جاذبِ نظر مناظر موجود تھے، نہ حکومت کے اعلیٰ مناصب اور وظائف، نہ زرکش مرصّع محلات وقصور، نہ خوردونوش کے دلکش ملوّن ومرغن ماکولات ومشروبات کا سازوسامان مہیا تھا۔ جن کی کشش نے ان کو آغوشِ مصطفیٰ میں جمع کرلیا ہو، بلکہ وہاں تو چاروں طرف تنگدستی، فقروفاقہ، بھوک پیاس اور پہاڑوں کے ناپیداکنار سلسلوں کے ساتھ ساتھ، سنگدل، بے رحم ظالموں کے ہاتھوں زدوکوب، قیدوبند کے وحشیانہ ہولناک ہوش ربا۔ جانگداز اذیتوں کا تسلسل تھا،

بالآخر وہ کونسی مقناطیسی قوت تھی جو چاروناچار صحابہ کرام کو جوق در جوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت وصحبت پر مجبور کررہی تھی، اور ان کے دلوں کی دنیا میں عظیم انقلاب برپا کررہی تھی، ان کے قلوب کو ایمان ویقین کی دولت سے مالا مال کررہی تھی، یہ صرف اور صرف اس مجسمۂ صدق وعفاف، سراپا امانت ودیانت، سردارِ دوجہاں کی سچی نبوت ورسالت تھی جس نے ان کے تاریک ماحول کو قرآن وحدیث کے انوار سے نورانی ماحول بنا دیا،

عرب کے ذہین قیافہ دان جو زمین پر قدموں کے نشانات سے چلنے والے کا نام ونسب تک معلوم کرلیتے تھے اور بولنے والے کے سانس اور لہجہ سے اس کی سچائی اور جھوٹ کا اندازہ لگا سکتے تھے، ان نبض شناس، اصحابِ فراستِ ماہرین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چالیس سالہ زندگی (جواس کی بے پناہ عفت وطہارت، صداقت وعدالت، صلہ رحمی، غربا پروری، ایفائے عہدوپیمان، صبرواستقامت اور بے شمار مکارم اخلاق اور شمائل حسنہ سے معمور ومزین تھی) کے آئینہ میں اس کے دعوئ رسالت ونبوت کو پورے شرح صدر کے

Scanned with CamScanner

[illegible] قبول کر لیا، اور ان کو کامل یقین تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات چالیس سال کی طویل زندگی میں کبھی بھی ذرہ برابر جھوٹ کا کلمہ اپنی معصوم زبان پر نہیں لائے وہ کیسے یکایک چالیس سال گزرنے کے بعد ربّ العالمین علیم بذات الصدور پر جھوٹ باندھنے لگ گیا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے رسالت کی خلعت سے نوازا ہے، وہ مقدس انسان جو اس طویل عرصہ میں تمام اہلِ مکہ میں "الصادق الامین" کے لقب سے مشہور ہے وہ کیسے یک لخت افتراء اور بہتان کی خصلتِ قبیحہ اختیار کر سکتا ہے مکہ مکرمہ کے ہر چھوٹے بڑے کو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح تھی کہ اس مبارک ہستی نے کبھی بھی کسی درس گاہ میں کسی استاد سے ایک حرف نہیں سیکھا اور نہ کبھی اپنے ہاتھ میں قلم لے کر حروفِ تہجی کا ایک حرف لکھا ہے۔ نہ کسی محفلِ مشاعرہ میں بیٹھ کر شعراء کے قصائد سن چکا ہے۔ پھر یہ خالص اُمّی کیسے ارتجالی طور پر قرآن مجید کا معجز کلام سنانے لگتا ہے، جس کی اعجازی فصاحت و بلاغت کے سامنے بڑے بڑے نامور، قادر الکلام شعراء، مایۂ ناز بلغاء، ساحر بیان خطباء سجدہ ریز ہوتے ہیں، عہدِ نبوی سے لے کر آج تک۔ بلکہ قیامت تک اس کتابِ مقدس قرآن مجید کی ایک مختصر سی سورت کے مقابلہ میں تمام انس و جن ایک چھوٹی سی صورت نہ بنا سکے اور نہ بنا سکیں گے نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ یہ کتاب رب العالمین کا کلام ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لیے بہت بڑا معجزہ ہے۔

ان اصحابِ فراست و قیافہ نے آپ کی چالیس سالہ حیاتِ طیبہ کے جملہ ادوار کا مشاہدہ کیا، آپ کی طفولت کا عہد بھی دیکھا، جوانی کا عالم بھی معائنہ کیا، دورِ نبوت کا زمانہ بھی دیکھنے میں آیا،

دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ کے بچپن کے پاکیزہ احوال دیگر بچوں کے حالات سے بدرجہا ممتاز ہیں، آپ نے کبھی بھی ایک لمحہ کے لیے بچوں کے ساتھ کھیل کود میں حصہ نہیں لیا اور نہ ان کے بیہودہ حکایات و قصہ گوئیوں میں شریک ہوئے اور جب بھی اس کے اڑوس پڑوس کے ہم عمر بچوں نے آپ کو اپنے کھیلوں اور قصہ گوئی کے محافل میں شریک ہونے کی دعوت دی تو آپ کی زبان مبارک پر یہ الہامی کلمات جاری ہوتے تھے، "اَنَا لَمْ اُخْلَقْ لِهٰذَا!"

میری پیدائش ان چیزوں کے لیے نہیں،

آپ کی جوانی کے صاف وشفاف حرکات وسکنات اور جملہ نشیب فراز عفت و تقویٰ سے متصف ہیں ۔ وہ ہر وقت یادِ خدا میں رطب اللسان رہتے، کمزور اور نادار لوگوں کی امداد فرماتے، اپنی کمائی کے حلال وطیب نان ونفقہ میں فقراء ومساکین کو شریک کرتے مصیبت زدوں کی مصیبت دور کرنے میں ہر ممکن کوشش فرماتے، اپنے اقارب واعزہ کے ساتھ صلہ رحمی فرماتے اور ان کے حقوق ادا کرنے کا فکر ہر وقت دامنگیر رہتا، دو متحارب گروہوں کے درمیان مصالحت فرماتے، لوگوں کی امانتوں کی نگہداشت فرماتے، عدل وانصاف، صدق وعفاف، زہد وتقویٰ، تواضع، انکساری، غرباء پروری وغیرہ بے شمار خصائل حمیدہ سے آپ کی جوانی کا دور آراستہ تھا اور جب بارگاہِ الٰہی سے اس کے سر مبارک کو تاج نبوت سے نوازا گیا، پھر تو رحمۃ للعالمین، انك لعلی خلق عظیم، ورفعنا لك ذكرك اور فبما رحمة من الله لنت لهم کے ربانی اعزازات اور ہزاروں معجزات سے ان کی نبوت ورسالت آشکارا ہوئی پھر تو آپ پر ایمان لانے والوں نے پوری بصیرت وشرح صدر کے ساتھ اپنی سبقت ایمانی کے فیصلوں کی تحسین و سپاس گذاری فرمائی اور اپنے ایمان بالغیب کے مدارج بنے ۔ وہ ذاتِ اقدس جو صفا کی چٹان پر تن تنہا اہل مکہ کو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی دعوت دے رہے تھے آج تمام جزیرۂ عرب اور آس پاس کے لوگ اس پر ایمان لانے کے لیے جوق در جوق تشریف لا رہے ہیں۔ چاروں طرف اسلام کے جھنڈے لہرا رہے ہیں ۔ رزق وغنائم کے دروازے کھل گئے ہیں۔ اللہ اکبر ۔ ایسی سطوت وسلطنت، فاتحانہ شان وشوکت کے باوجود اس کے زبان مبارک پر یہ کلمات جاری ہیں،

مَنْ كُنْتُ جَلَدْتُ لَهُ ظَهْرًا فَهٰذَا ظَهْرِيْ فَلْيَقْتَدْ مِنْهُ وَمَنْ كُنْتُ اَخَذْتُ لَهُ مَالًا، فَهٰذَا مَالِيْ فَلْيَاْخُذْ مِنْهُ ۔

یعنی اگر میں نے کسی کو پیٹھ پر مارا ہو تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے مجھ سے قصاص لے لے اور اگر میں نے کسی سے زبردستی مال چھین لیا ہو تو یہ میری دولت ہے اس سے وہ اپنا مال لے لے، یہ اعلان اس وقت فرماتے ہیں جب چاروں طرف اسلام کا دور دورہ ہے ۔ فتح مکہ کے وقت

Scanned with CamScanner

...ب تمام اہلِ مکہ لرزہ براندام ہیں تو آپ کے زبانِ معصوم پر یہ کلمات ہیں اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔ چلو کوئی خوف و خطر نہیں ہیں نے سب کو بخش دیا ہے۔ پس ایسا مقدس و مطہر انسان، جس کی طفولیت و جوانی اور شیخوخت کے نیّر و تابندہ ادوار اقارب و اجانب سب نے دیکھے، ایسے بے داغ صاف و شفاف زندگی کا حامل جب تاجِ رسالت سے نوازا جاتا ہے اور پھر فتح و کامیابی کے بعد اپنے بدترین دشمنوں کو اذهبوا انتم الطلقاء کے رحیمانہ اعلان سے اطمینان بخشتا ہے وہ کیوں کر کاذب، مجنون، یا ساحر و شاعر کے شنیع القاب سے متصف ہو سکتا ہے۔

(جاری ہے)

تبلیغ کا وہ ضروری فرض جس کو قرآن اور حدیث نہایت زور کے الفاظ سے بتلا رہے ہیں، اس کا جاری کرنا اور اس کی مدد اور کوشش کرنا ضروری اور واجب ہے، مگر بوقت تبلیغ ان باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ جن کو ایک سچا اور حقانی مذہب اپنے اصلی اصول اور بنیادی اساس قرار دیتا ہے۔

جو واقعات اپنے یا کسی دوسرے مذہب کے دکھائے جائیں، وہ صحیح اور واقعی ہوں۔ کسی مذہب کے پیشوا اور بانی کی نسبت ناشائستہ اور خلاف شان الفاظ استعمال نہ کیے جائیں، قرآن اور حدیث اس کو سختی سے منع کرتے ہیں۔ کسی پر اکراہ و اجبار کو کام میں نہ لایا جائے۔ کسی قسم کے مادی مطامع کو معتمد علیہ نہ بنایا جائے۔ کسی قسم کے دباؤ اور قوت کو نہ برتا جائے۔ سختی لہجہ اور درشتی اخلاق سے پرہیز کیا جائے۔ نہایت واضح طریقہ پر ناصحانہ سمجھایا جائے۔ پھر جس کا جی چاہے، دین پر قائم رہے اور جس کا جی چاہے، اپنے آپ کو ہلاک کرے۔

(مولانا سید حسین احمد مدنیؒ)

حضرت عمیر بن الحمام رضی کی شہادت

"رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم" سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عقیدت و محبت، وفاداری اور جانثاری تاریخ انسانی کی مسلّمہ حقیقت ہے۔ آپ حضرات نے ایثار و قربانی کے ایسے نادر نمونے پیش کئے جنہیں دیکھ اور سن کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ جلال مصطفٰی (غزوات و سراپا) کے حوالہ سے میدان جنگ میں اسلامی فوج کے ہر سپاہی کی ہر ادا جگر عنبر سے بھرپور داستان ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس رضی جنگ بدر کے میدان کا نقشہ کھینچتے ہوئے حضرت عمیر بن الحمام رضی کی شہادت کے بارے میں فرماتے ہیں۔

انطلق رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ حتی سبقوا
المشرکین الی بدر وجاء المشرکون۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم قوموا الی جنۃ عرضھا السموٰت والارض قال
عمیر بن الحمام "بخ" "بخ"، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ما یحملکَ علی قولک "بخ" "بخ" قال لا واللہ یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم الا رجاء ان اکون من أھلھا قال فانک
من اُھلھا قال فاخرج تمرات من قِرابہ فجعل یأکل
منھن ثم قال لئن أنا انا حییت حتی اُکل تمراتی انھا
حیوۃ طویلۃ قال فرمی بما کان معہ من التمر ثم
قاتلھم حتی قتل۔ (الصحیح المسلم ج ۲/ ۱۳۹)
(باب ثبوت الجنۃ للشہید۔)

جنگ بدر کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ جنگ کے لیے نکلے۔ اور میدان جنگ میں مشرکین سے پہلے پہنچے۔ جب مشرکین آگئے۔ تو آپ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا۔ جنت کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ جس کی چوڑائی زمین اور آسمان کے برابر ہے۔ یہ سن کر عمیر بن الحمامؓ بولے "واہ" "واہ" آپؐ نے پوچھا۔ آپ نے اتنی خوشی کا اظہار کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا۔ خدا کی قسم صرف اس امید سے کہ جنت کا اہل بن جاؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم جنتی ہو۔

یہ سن کر انہوں نے اپنے میان سے کچھ کھجوریں نکالیں اور ان کے کھانے میں مشغول ہو گئے۔ پھر خود ہی بولے۔ اگر میں اتنی دیر تک زندہ رہا۔ کہ ان کھجوروں کو ختم کر لوں تو یہ زندگی بڑی لمبی زندگی ہوگی" راوی کا بیان ہے "یہ کہہ کر جو کھجوریں ان کے پاس تھیں۔ پھینک دیں۔ اور مشرکین سے جنگ شروع کر دی۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

انتقال پُر ملال

صوبہ سرحد کے نامور عالم دین شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا حمد اللہ جان صاحب کے بڑے صاحبزادے جناب مولانا فضل اللہ مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۹۵ء کو ۵۰ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ مرحوم کینسر کے مریض تھے دینی علوم کی اکثر کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں فی الحال محکمہ تعلیم میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ دل کے ٹکڑے کی جدائی حضرت شیخ الحدیث کیلئے یقیناً عظیم صدمہ ہے ادارہ العصر حضرت الشیخ اور جملہ پسماندگان کے ساتھ اس صدمہ جانکاہ میں برابر شریک ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے آمین۔

Scanned with CamScanner

پروفیسر آف میڈیسن نشتر میڈیکل

موت کے چند فکر انگیز مناظر!

دنیا میں ہر قسم کے لوگ ملتے ہیں مگر موت کا منکر کوئی نہیں ملتا، دنیا میں آنے والا ہر کو برحق سمجھتا ہے کیونکہ یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ دنیا کی ہر چیز چاہے وہ جاندار یا بے جان، فنا کی طرف رواں دواں ہے۔ موت کے بعد انسان کے ساتھ کیا معاملہ پیش آ ہے۔ قبر میں اس کا کیا حال ہوگا اور پھر یوم حساب کو یہی انسان کیونکر دوبارہ اُٹھ کھڑا ہوگا ایسی باتیں ہیں جو ہمارے مشاہدے میں نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں مبعوث ہو والے ہر نبی علیہ السلام نے اور سب سے آخر میں خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ و نے ان سب مراحل کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا۔ قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے بار بار ان کا فرمایا۔ موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر اور یوم حساب پر دل سے ایمان لانا ہر مسلمان کے لیے ہے۔ آج کل کے ماحول میں اگر کسی سے قبر حشر کی بات کی جائے تو اول تو وہ سنتا ہی نہیں اگر سن ہے تو توجہ نہیں دیتا۔ یا پھر ایسا تاثر ملتا ہے کہ گویا یہ قبر و حشر کا معاملہ کسی دوسرے کے ساتھ پیش آنا ہے۔

بطور ڈاکٹر میں نے تقریباً ایک سَو مسلمانوں کو اپنے سامنے مرتے دیکھا اور میں اس جستجو میں رہا کہ اس مرنے والے کے آخری الفاظ کیا ہیں۔ سو مسلمانوں میں سے صرف تین کو آخری وقت کلمہ نصیب ہوا۔ ان کے علاوہ باقی تمام دنیا کی باتیں کرتے ہوئے چلے گئے۔ مثلاً کسی نے بلیک ٹیک مانگا تو کوئی گانے گا رہا تھا۔ کوئی فلمی کرداروں کا نام بار بار لے رہا تھا تو کوئی ریڈرز ڈائجسٹ مانگ رہا تھا اور کوئی شفعہ اور زمین داری کے معاملات کا ذکر کر رہا تھا۔

میری پچھلی چالیس سالہ زندگی میں جو کہ مریضوں کے علاج سے منسلک رہی ہے چند ایسے

Scanned with CamScanner

دیکھنے اور سُننے میں آئے ہیں جن کو تحریر کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ پڑھنے والے کے
باعث ہوں۔

اللہ عزوجل ہم سب کو آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی کی تیاری کرنے کی توفیق
فرمائیں۔ آمین۔

شہید کی نعش اور توبہ کی توفیق

یہ تقریباً تیس سال پہلے کا واقعہ ہے۔ میرے ایک دوست محکمہ انہار میں سپرنٹنڈنٹ انجنیئر تھے۔ ان کا ایک بیٹا پاگل تھا جس کو وہ اکثر باندھ کر رکھتے تھے ورنہ وہ گھر کی اشیاء توڑ پھوڑ دیتا۔ ایک روز نوکر کی بے توجہی کی وجہ سے وہ لڑکا ڈرائنگ روم میں گھس گیا اور ہزاروں روپے کا نقصان کر ڈالا۔ وہ دوست اس لڑکے کو پکڑ کر میرے پاس لائے اور تقریباً روتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر صاحب اِس کا کچھ کریں، اس نے ہمارا ناک میں دم کیا ہوا ہے ورنہ میں اس کا گلا گھونٹ دوں گا۔ میں نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا کہ میاں اللہ سے ڈرو، ایسی بات مت کرو ورنہ قیامت کے روز یہ تمہارے لیے سزا کا سبب بن جائے گا۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ مرنے کے بعد (نعوذ باللہ) کس نے جینا ہے اور کون پوچھے گا۔ میں اس پر چُپ رہا کہ کہیں مزید کفریہ کلمات نہ کہہ ڈالیں۔ چنانچہ بات ختم ہو گئی۔

چند دنوں کے بعد میرے وہ دوست ڈیرہ غازیخان کینال رجو تونسہ بیراج سے نکالی جا رہی تھی اور اُس کی کھدائی کا کام مکمل ہو چکا تھا کے معائنے کے لیے گئے۔ وہاں پہنچنے پر دیکھا کہ مزدور ایک جگہ جمع ہیں اور شور مچا ہوا ہے۔ انجنیئر صاحب کو دیکھ کر مزدوران کے پاس آئے اور بتایا کہ نہر کی تہہ میں ایک سوراخ سے انسانی جسم کا ایک حصہ نظر آ رہا ہے۔ انجنیئر صاحب نے خود جا کر دیکھا اور اوپر والی مٹی ہٹانے کو کہا جب مٹی ہٹائی گئی تو نیچے سے پوری انسانی نعش نظر آ رہی تھی۔ اس نعش میں دو باتیں حیران کن تھیں ایک تو اس کے کپڑے خون آلود تھے جس سے اندازہ ہوا کہ یہ کسی شہید کی نعش ہے۔ دوسرے اس کے منہ کے اوپر ایک پھل نما چیز رکھی ہوئی تھی۔ جس میں سے وقفہ وقفہ کے بعد کچھ قطرے نعش کے منہ میں گر رہے تھے۔ نہر کی گہرائی تقریباً بیس۲۰ فٹ تھی، اور یہ نعش اس سے بھی نیچے مٹی میں محفوظ تھی۔ جس سے یہ اندازہ

ہوا کہ اس آدمی کو دنیا سے کوچ کیے صدیاں گزر چکی ہیں۔

اسی شام کو انجینئر صاحب میرے گھر آئے اور مجھے پورا واقعہ سنا کر کہنے لگے کہ قرآن پاک میں یہ جو کہا گیا ہے کہ شہیدوں کو مردہ مت کہو بلکہ یہ زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں، اس آیت کی زندہ مثال دیکھ کر آیا ہوں اور مجھے مکمل یقین ہو گیا ہے کہ مرنے کے بعد بھی ایک زندگی ہے جس میں یوم حساب بھی ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین اس شہید کی نعش کو بھی کھا جاتی جو صدیوں سے زمین کے اندر محفوظ ہے۔ کہنے لگے کہ ایسا لگتا ہے جیسے یہ مردہ اس وقت کے انتظار میں ہے جب اللہ تعالیٰ دوبارہ اس میں رُوح پھونکیں گے اور یہ یوم حساب کے لیے اُٹھ کھڑا ہوگا۔

میں نے انجینئر صاحب سے عرض کیا کہ آپ کے اور ہمارے قیامت پر ایمان لانے میں فرق ہے۔ ہم تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سُن کر ایمان لے آئے اور آپ نے جب تک مشاہدہ نہیں کیا آپ کو یقین نہ آیا۔

اس واقعہ کے بعد انجینئر صاحب اپنے لڑکے کو نقصان پہنچانے کے ارادے سے بھی باز آ گئے اور آخرت کے بارے میں اپنی سابقہ آزاد خیالی سے بھی پکّی توبہ کر لی۔

نیک آدمی کا آخری کلمہ

ڈاکٹر نوازش علی بھٹہ بی۔وی ہسپتال بہاولپور میں آنکھوں کے سرجن تھے۔ بہت ہی نیک انسان تھے اُن کو جگر کی بیماری کی وجہ سے یرقان ہو گیا۔ بیماری اتنی بڑھی کہ اُن کا آخری وقت آن پہنچا۔ میں اُن کے پاس ہی موجود تھا۔ دیکھا کہ اُن کی آنکھوں کی پتلیاں پھیل گئی ہیں، دل کی دھڑکن بند ہو چکی ہے اور سانس بھی ختم ہو چکا ہے۔ طبی علم کے مطابق اُن کی موت واقع ہو چکی تھی۔ ان کی بیوی اور بچوں نے جو اس وقت کمرے میں موجود تھے رونا شروع کر دیا۔ میں نے اُن کے بڑے بھائی اور بیوی کو کلمہ پڑھنے کی تلقین کی اور یہ بتایا کہ ڈاکٹر بھٹہ اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں اس موقع پر رونے کی بجائے کلمہ پڑھنا چاہیئے۔ چنانچہ انہوں نے بلند آواز میں کلمے کا ورد شروع کر دیا۔ اچانک ڈاکٹر بھٹہ نے آنکھیں کھول دیں بستر پر اٹھ بیٹھے کلمہ پڑھا اور کہا کہ ڈاکٹر نُور تم گواہ رہنا میں کلمہ پڑھ کر اللہ کے ہاں جا رہا ہوں۔ اس کے بعد وہ دوبارہ بستر پر لیٹ گئے

Scanned with CamScanner

اور اُن کا انتقال ہو گیا۔

مرتے وقت عربی میں کلام

چند سال قبل میں ایک فالج کے مریض کو مریض کو دیکھنے کے لیے گیا، مریض کی حالت کافی خراب تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چند گھڑی کا مہمان ہے۔ بہر حال میں نے اس کا معائنہ کیا۔ دورانِ معائنہ بات چیت کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ پھر میں نے مریض سے عربی میں اس کا نام پوچھا اس نے جواب دے دیا، عربی میں منہ کھولنے کو کہا تو مریض نے منہ کھول دیا۔ عربی میں ہی آنکھیں کھولنے کو کہا تو اس نے آنکھیں بھی کھول دیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد مریض کا انتقال ہو گیا لواحقین سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ مریض بالکل جاہل تھا۔ عربی تو کیا اردو بھی نہیں جانتا تھا علماءِ کرام سے سن رکھا تھا کہ برزخ اور آخرت کی زبان عربی ہوگی اور قبر کے سوال و جواب بھی عربی میں ہوں گے۔ غالباً اسی چیز کا اللہ نے اپنی قدرت سے مشاہدہ کروایا تھا۔

کلمہ سے محرومی کے نتائج

دس سال پہلے کا ذکر ہے، میں قائداعظم میڈیکل کالج میں بطور پرنسپل کام کر رہا تھا، قریب کی بستی سے ایک ڈسپنسر اپنے ایک قریبی عزیز کے مرض کے بارے میں مشورہ کرنے کے لیے آیا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے بتایا کہ اس کی بستی میں ایک حجّام فوت ہو گیا جب اس پر نزع کی کیفیت طاری ہوئی تو لوگوں نے اس کو ہلایا اور کہا کہ کلمہ پڑھ (حالانکہ یہ غلط طریقہ تھا) اس نے کلمہ نہ پڑھا۔ لوگوں نے پھر اسے ہلایا اور کلمہ پڑھنے کو کہا۔ موت کی سختی کی وجہ سے اس نے کلمے کو گالی دی۔ تھوڑی دیر بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ جب دفن کرنے لگے تو دیکھا کہ قبر بچھوؤں سے بھری ہوئی ہے۔ لوگوں نے قبر کو بند کر دیا۔ دوسری جگہ قبر کھودی گئی جب میّت کو قبر میں اتارنے لگے تو دیکھا کہ وہ قبر بھی بچھوؤں سے بھری ہوئی ہے۔ چنانچہ اسی حالت میں مُردے کو قبر میں رکھ کر قبر کو بند کر دیا گیا۔

علماءِ کرام سے سنا ہے کہ نزع کے عالم میں مرنے والے کو کلمہ پڑھنے کے لیے نہیں کہنا چاہیئے بلکہ اس کے قریب مناسب آواز میں کلمے کا ورد کرنا چاہیئے۔

مرتے وقت ملک الموت کا نظر آنا

میرے پڑوس میں ایک شخص کی حالت بگڑ گئی۔ مجھے بلایا گیا۔ میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ مریض پر نزع کی کیفیت طاری ہے اور وہ ایک سمت میں اشارہ کر کے کہ رہا تھا کہ یہ مجھے لینے کے لیے آیا ہے اور لے جائے گا لیکن میری لڑکی کا کیا بنے گا۔ یہ کلمات اس نے تین مرتبہ دہرائے اور پھر اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

۲۔ میری ایک عزیزہ علاج کے لیے میرے پاس ملتان آئی ہوئی تھیں۔ ایک دن ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک وہ ایک طرف دیکھ کر کہنے لگی کہ یہ کون آیا ہے پھر کہنے لگیں کہ مجھے جلدی گھر پہنچاؤ میرے دنیا سے جانے کا وقت قریب ہے چنانچہ اُن کو گھر پہنچایا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی اُن کا انتقال ہو گیا۔

۳۔ روجھان روڈ پر ایک بس تیزی سے اپنی منزل کی طرف جا رہی تھی۔ اچانک ڈرائیور نے بریک لگائی اور کنڈیکٹر سے کہا کہ سواری چڑھالو۔ کنڈیکٹر نے گیٹ کھول کر دیکھا تو باہر کوئی بھی مسافر نہ تھا۔ چنانچہ اس نے چلو چلو کی آواز لگا دی۔ لیکن ڈرائیور نے بس نہ چلائی ڈرائیور کے قریب جا کر دیکھا تو اس کا سر سٹیرنگ پر ڈھلکا ہوا تھا اور اُس کی روح پرواز کر چکی تھی۔ یہ واقعہ مجھے اُس بس کے ایک مسافر نے سنایا۔

میرے ایک دوست کی موت کے وقت آنکھیں باہر نکل آئیں

میرے ایک دوست جو شوگر کے مریض تھے اور اپنے علاقے کے بڑے زمیندار تھے میرے ہاں داخل ہوئے اُن کی حالت خراب ہو گئی اور سکرات کی حالت شروع ہو گئی۔ نزع کے وقت جو میں نے عجیب چیز دیکھی وہ یہ کہ وقفہ وقفہ سے وہ ہاتھ اور پاؤں اکٹھے کر لیتے تھے جیسے کوئی اس کو مار رہا ہو اور وہ اپنے بچاؤ کی کوشش کر رہا ہو۔ جونہی موت کا وقت قریب آیا اس کی دونوں آنکھیں باہر نکلنا شروع ہو گئیں اور آنکھ کے ڈھیلے باہر آنا شروع ہو گئے اور شکل بہت ڈراؤنی ہو گئی۔ اسی حالت میں وہ مالک کو جا ملے۔ چند دنوں بعد میں نے اس بات کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ جب وہ تندرست تھا تو ایک آدمی اُس کی زمین سے گزر رہا تھا اُس آدمی کو صرف زمین سے بغیر اجازت گزرنے

Scanned with CamScanner

پہ بندوق مار کر زخمی کر دیا تھا اور وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا اور مرتے وقت اس کی آنکھیں باہر نکال ہیں۔ غالباً یہ عذاب اُس بے گناہ کو قتل کرنے کی سزا تھی۔

جنرل واجد علی برکی کے مرنے سے پہلے سوال!

جنرل برکی صاحب کو تو سارے پاکستان والے جانتے ہیں، مرحوم ایوب خاں کے دور میں وزیر صحت تھے ریٹائرڈ ہونے کے بعد پاکستان کالج آف فزیشن اینڈ سرجن کے پریذیڈنٹ رہے۔ میں قریباً بیس سال تک جنرل صاحب کو ملتا رہا اس دوران ان سے کوئی خاص دین کی بات نہیں سنی گئی تھی۔ جنرل صاحب کے فوت ہونے سے چند گھنٹے پہلے وہ کالج آف فزیشن اینڈ سرجن کی کونسل کی صدارت کر رہے تھے۔ صدارت کے دوران انہوں نے ہمارے ایک ڈاکٹر کو جس کی شکل مسلمانوں جیسی ہے بلایا اور پوچھا کہ قبر میں کون سے تین سوال ہوں گے؟ ڈاکٹر صاحب نے تینوں سوال بتا دیئے پھر جواب پوچھے اس کے بعد جنرل صاحب نے فرمایا ٹھیک ہے۔ جنرل صاحب کی زبان سے ایسا سوال سن کر سب حیرت زدہ تھے۔ چنانچہ میٹنگ کے ختم ہونے پر جنرل صاحب کا سانس پھول گیا اور مالک حقیقی کو پیارے ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

ڈاکٹر بقاء مرحوم کا واقعہ

ڈاکٹر بقاء مرحوم کالج آف ٹیکنالوجی میں کام کرتے تھے۔ بہت ہی نیک آدمی تھے۔ انہیں دل کا دورہ پڑا اور فوری طور پر انتہائی نگہداشت کے شعبے میں داخل کرایا گیا۔ میں اُن کے بستر کے قریب موجود تھا۔ اُن کا دل یکایک بند ہو گیا۔ چنانچہ بجلی کا جھٹکا لگایا گیا انہوں نے فوراً کلمہ طیبہ پڑھا جب دوسرا جھٹکا لگایا گیا تو انہوں نے بلند آواز میں درود شریف پڑھا اور دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

قربانی کے چند مسائل

عیدالاضحیٰ کی مناسبت سے اس دفعہ دارالافتاء قربانی کے چند اہم مسائل پر مشتمل ہے

عالم انسانیت کی قدیم تاریخ قربانی کے نام سے زندہ ہے۔ اسلام کی اشاعت اور ہمہ گیری قربانی کا بین ثبوت ہے۔ اس لیے یہ مسلمان کی زندگی کا قابل فخر سرمایہ ہے۔ عیدالاضحیٰ کے دن خاص حیوان کا ذبح کر کے عقیدت و محبت کا جو اظہار ہوتا ہے۔ یہ بھی قربانی کی عام فہم صورت ہے۔ عربی میں "قربان" کا لفظ مستعمل ہے۔ لیکن عام طور پر اس کے لیے "اضحیہ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جو خاص شرائط کی رعایت کرتے ہوئے ان خاص ایام میں خاص حیوان کا ذبح محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے کیا جاتا ہے۔ اسی مناسبت کی وجہ سے یہ عید "عیدالاضحیٰ" کے نام سے مشہور ہے[1]۔

قربانی کا حکم ہجرت نبوی ؐ کے دوسرے سال کی یادگار ہے پوری شریعت کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ ایام عید میں مسلمانوں کا اس ذمہ داری کا نبھانا موجب ثواب اور باعث سعادت مندی ہے[2]۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں قیام کے دوران دس سال تک اس کی رعایت کی ہر سال قربانی کرتے رہے۔

---

[1] مرقاۃ المفاتیح علامہ علی بن سلطان محمد القاری، ج ۳/۳۰۲۔

[2] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ شیخ عبدالرحمٰن الجزیری۔ ج ۱/۷۱۶

آپؐ نے امت کو اس کی اہمیت ان الفاظ میں واضح کی کہ

ما عمل آدمی من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اہراق الدم[1]

یعنی عید کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں خون بہانے سے بڑھ کر کوئی دوسرا عمل محبوب نہیں۔

دوسرے ائمہ کرام اگرچہ سنت کے قائل ہیں لیکن احنافؒ اس اہتمام کو مدنظر رکھتے ہوئے وجوب کے قائل ہیں۔ اس لیے بلا وجہ چھوڑنا موجب گناہ ہے۔[2]

قربانی کے وجوب کی شرائط

احنافؒ نے وجوب پر قول کر کے اس کا دائرہ کار محدود رکھا۔ ہر مسلمان پر واجب نہیں۔ بلکہ وجوب چند شرائط پر موقوف ہے۔ جن میں سے بنیادی شرط "غنا" یعنی مالداری ہے۔ عرف میں مالداری کے لیے خاص معیار مقرر نہیں۔ لیکن از روئے شرع "غنا" کی مقدار ۵۲ ½ تولہ چاندی کی مروجہ قیمت ہے۔ اس لیے جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد نقد یا کسی چیز کی مالیت ۵۲ ½ تولہ چاندی کی مروجہ قیمت کے برابر ہو۔ تو اس پر قربانی واجب رہے گی تاہم غنا وجوب کی شرط ہے ورنہ قربانی کی صحت اس پر موقوف نہیں۔ اس لیے کوئی شخص مالدار نہ ہونے کے باوجود قربانی کرے۔ تو جائز ہے۔

لیکن اس کا خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ قرض کے ناقابل تحمل بوجھ کے ہوتے ہوئے قربانی کرنا دانشمندی نہیں۔ ایسی صورت میں اپنی تمام تر توانائی حقوق العباد یعنی قرض کی ادائیگی میں صرف کرنا چاہیئے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت کی رو سے مالدار آدمی پر جیسا کہ اپنی قربانی واجب ہے۔ تو صدقہ فطر کی طرح نابالغ بچے کی طرف سے بھی قربانی ضروری ہے۔ لیکن یہ قول ظاہر الروایہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ قربانی ایسی عبادت نہیں جس کی ذمہ داری کسی دوسرے شخص

---

[1] ترمذی ج ۱ / ۲۱۷ [2] ترمذی ج ۱ / ۲۱۵

[3] الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۴ / ۳۷۶۔

پر ڈالی جائے یہی وجہ ہے، دوسرے زیر کفالت افراد کے لیے سرپرست پر قربانی واجب نہیں
نابالغ بچہ اگر مالدار ہی کیوں نہ ہو، پھر بھی اس کے مال سے قربانی کی جائے گی اور نہ والد
جیب سے اس کی ادائیگی کا پابند ہے۔[1]

اموات کے لیئے قربانی

قربانی کی ادائیگی میں وسعت پائی جاتی ہے۔ اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک شخص اپنا یہ بوجھ کسی دوسرے شخص کے کندھوں پر ڈال دے۔ خود قربانی کر سکتا ہے۔ اور دوسروں سے کروا سکتا ہے اگرچہ دوسرے شخص کی قربانی کے وجوب کا اسقاط اس کی اجازت پر موقوف ہے۔ لیکن ثواب کی نیت میں تبرع اور احسان بھی مفید ہے۔ یعنی ایک شخص دوسرے شخص کے ثواب کے لیے اس کی اجازت کے بغیر بھی قربانی کر سکتا ہے۔ بلکہ اگر ایک شخص اپنے فوت شدہ عزیز و اقارب کسی پیر و مرشد یا استاذ اور یا محسن کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفع درجات کے لیے قربانی کرے۔ تو جائز ہے۔ ایسی حالت میں زندہ اور مردہ دونوں کے لیئے قربانی کرنے میں کوئی فرق نہیں۔ تاہم اگر کسی ایسے مردے کے لیے قربانی ہو۔ جس نے وصیت کی ہو۔ پھر پسماندہ جائداد کے ثلث یعنی ⅓ حصہ میں اس کی گنجائش یا جملہ ورثاء کی اجازت پر یہ قربانی موقوف ہوگی۔ ایسی صورت میں قربانی کے تمام گوشت کا تصدق ضروری ہے۔ وصیت کی صورت میں میت کی ذمہ داری فارغ ہوتی ہے۔ جب کہ پہلی صورت میں یہ صرف ثواب تک محدود ہے۔ متعلقہ شخص کی ذمہ داری اس سے فارغ نہیں ہوتی۔ ایسی حالت میں گوشت کا تصدق بھی ضروری نہیں۔ اس میں قربانی درحقیقت اس شخص کی ہوتی ہے۔ البتہ ثواب مرحوم کو بخش دیا جاتا ہے۔[2]

متعلقہ شخص سے اس کا تعلق صرف ثواب تک محدود ہے۔ خواہ وہ شخص زندہ ہو۔ یا مردہ۔
ایسی صورت میں ایک قربانی صرف ایک شخص کے ثواب کے لیے کی جائے۔ اس کو جتنا ثواب ملتا ہے۔ تو متعدد اشخاص کے لیے ثواب کی نیت کر لینے سے یہ اس کے ثواب کی مقدار پر کوئی

---

[1] ہدایہ ج ۴/۴۲۶ [2] عالمگیری ج ۵/۳۰۲۔

اثر نہیں پڑتا۔ جیسا کہ ایک بلب کی روشنی سے استفادہ کرنے میں مستفیدین کی تعداد سے روشنی کم نہیں ہوتی۔ اس لیے بہتر ہے، کہ ایسی قربانی میں وسعت سے کام لیا جائے۔

قربانی کا جانور

قربانی کسی وحشی جانور، پرندے یا مرغ سے درست نہیں۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لا تذبحوا الا مسنة الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضان۔

تم قربانی میں صرف مسنہ جانور ذبح کرو۔ ہاں اگر مسنّہ نہ پاؤ۔ تو پھر بھیڑ یا دنبہ کا جذعہ ذبح کرلو۔

مذکورہ روایت میں قربانی کے لیے "مُسِنَّۃ" اور "جَذَعَۃ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہ کوئی مستقل حیوان نہیں۔ بلکہ قربانی کے جانور کی عمر کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ اصطلاح استعمال ہوتی ہے فقہ حنفی کی رُو سے اونٹ کے "مسنہ" بننے کے لیے پانچ سال میں ہوکر عمر سے چھٹے سال میں ہونا، گائے بھینس، بیل میں دو سال مکمل ہو کر تیسرے سال میں ہونا اور بھیڑ دنبہ میں ایک سال کا مکمل ہو کر دوسرا سال میں ہونا ضروری ہے۔ ہاں دنبہ اور بھیڑ میں "جذعہ" یعنی چھ مہینوں کی عمر کا ہونا بھی کافی ہے بشرطیکہ اتنا فربہ ہو۔ کہ اگر ایک سال کے دنبہ یا بھیڑ سے کھڑا کر دیا جائے۔ تو ناواقف کے لیے اس میں چھ مہینے اور سال کے ہونے کی پہچان مشکل ہو۔[2]

اس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ قربانی کے جانور میں بنیادی کردار عمر کا ہے۔ اس لیے گائے بھینس، بیل اگر دو سال اور اونٹ کی عمر پانچ سال میں ایک دن بھی کم ہو۔ تو اس کی قربانی جائز نہیں۔

قربانی چونکہ رب کائنات کے دربار میں اپنی عقیدت کا اظہار ہے۔ اس لیے اس میں اچھے سے اچھے حیوان کی تلاش ضروری ہے۔ کسی ایسے حیوان کی قربانی جائز نہیں جو چلنے پھرنے پر قادر نہ ہو۔ یا بصارت سے محرومی کا شکار ہو۔ اور یا ناقص الاعضاء ہو۔ قربانی کے حیوان میں پر وہ بیماری اور عیب ناقابل برداشت ہے، جس سے گوشت متاثر ہوتا ہو۔

---

[1] مسلم ج ۲ / ۱۵۵ [2] عالمگیری ج ۵ / ۲۹۶۔

بھیڑ بکری اور دنبہ ایک آدمی مستقل ذبح کرے گا جب کہ گائے بھینس اور اونٹ

میں سات آدمیوں کی شرکت قابل تحمل ہے ۔ ۔ ۔ ضروری ہے کہ کسی ایک کا حصہ ساتویں سے کم

نہ ہو۔ اور اگر کہیں ایک کا حصہ اس مقدار سے کم ہو۔ تو اس کی قربانی نہیں ہوگی۔ جس سے دوسرے

شرکاء کی قربانی بھی متاثر ہو کر ادا نہیں ہوگی۔ کیوں کہ قربانی میں ایک کے حصہ کی خرابی سے دوسرے

کے حصے متاثر ہوتے ہیں۔ پھر ان حیوانات میں مفتی بہ قول کی رو سے بہتری کا معیار قیمت ہے۔

ساتویں حصہ اور بھیڑ بکر میں سے جس کی قیمت زیادہ ہو۔ وہ زیادہ بہتر ہے[1]

قربانی کے جانور کی تبدیلی

صاحب نصاب کی قربانی کا تعین خریدلے سے نہیں ہوتا۔ جب تک ذبح نہ ہو۔ اس لیے خریدنے کے بعد ذبح کرنے سے قبل اس میں تغیر و تبدیلی جائز ہے شرکاء کا ایک دوسرے سے الگ ہونے سے قربانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ البتہ غریب کی قربانی خریدنے سے متعین ہوتی ہے، اس لیے خریدنے کے بعد اس کے حصہ میں تبدیلی جائز نہیں۔ لہٰذا اگر چند شرکاء قربانی خریدیں۔ بعدازاں کسی دوسرے شخص کو شرکت کا موقعہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟۔ اگر شرکاء میں کوئی ایک شریک غریب ہو تو اس کے حصہ کا متعین ہونے کے بعد کسی دوسرے کو شرکت کا موقعہ دینے سے اس کا حصہ لازمی طور پر متاثر ہوگا۔ اس لیے ایسی صورت میں خریدنے کے بعد کسی کو ساتھ ملانا جائز نہیں اور اگر جملہ شرکاء صاحب نصاب ہوں۔ تو بصورت گنجائش کسی دوسرے کو شرکت کا موقعہ دینا جائز ہے[2]

تاہم اس میں بھی کسی مالی منفعت کو منظور نظر رکھنا مناسب نہیں۔ اس لیے اگر چار آدمیوں کے صاحب نصاب ہونے کی صورت میں خریدے ہوتے حیوان میں مزید کسی آدمی کو جب شرکت کا موقعہ دے کر مقررہ حصہ کی قیمت میں جو فرق آیا۔ وہ جیب میں ڈالنے کی بجائے خیرات کرنا زیادہ مناسب ہے۔ تاکہ مفاد پرستی کا کوئی شبہ نہ رہے[3]

---

[1] عالمگیری ج ۵/ ۲۹۹

[2] کفایہ علی الھدایہ علی ہامش فتح القدیر ج ۸ / ۴۳۸۔ [3] عالمگیری ج ۵/ ۳۰۵۔

Scanned with CamScanner

اگر گائے بھینس کے پیٹ میں بچہ ہو۔ تو قریب الولادت حیوان کی قربانی مکروہ ہے۔ لیکن ذبح کرنے سے قربانی صحیح ہے۔ تاہم اگر بچہ زندہ نکلے تو ذبح کیا جائے گا۔ ورنہ بلا ذبح اس کا کھانا درست نہیں۔ اور نہ ماں کا ذبح اس کے لیے کافی ہے۔

قربانی کا وقت قربانی کے لیے مقررہ وقت تین دن ہیں۔ جو دس ذی الحجہ سے بارہویں ذی الحجہ تک ہے تاہم پہلے دن قربانی زیادہ بہتر ہے۔ رات اور دن میں کسی وقت صحت کے باوجود دن میں قربانی کرنا زیادہ بہتر ہے۔

جہاں عید کی نماز پڑھی جاتی ہو۔ وہاں پر قربانی کا وقت عید کی نماز و خطبہ کے بعد ہوگا، جب کہ دیہات میں جہاں جمعہ و عیدین واجب نہ ہوں۔ صبح کی نماز کے بعد قربانی کی جا سکتی ہے۔ اس میں قربانی کرنے والے کی رہائش کا اعتبار نہیں بلکہ اس جگہ کو اعتبار دیا جاتا ہے۔ جہاں پہ قربانی کی جاتی ہو۔ اس لیے شہر میں رہائش رکھنے والے کی قربانی اگر دیہات میں ہو۔ تو عید کی نماز سے قبل قربانی میں کوئی خرج نہیں، اور اگر دیہاتی شہری علاقہ میں کسی کے ساتھ حیوان میں شریک ہو۔ تو عید کی نماز کا انتظار کیا جائے گا۔[1]

قربانی کا مستحب طریقہ کسی دوسرے کو قربانی سپرد کرنے کی جگہ اپنے اپنے ہاتھ سے قربانی کرنا زیادہ بہتر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رض سے فرمایا۔

"اپنی قربانی کے پاس کھڑی رہو، بے شک اس کے خون کے پہلے قطرے سے تمہارے گناہ کے بخشش کا فیصلہ ہوتا ہے۔"[2]

ذبح کے جملہ آداب کی رعایت قربانی کے وقت زیادہ مناسب ہے۔ اس لیے چھری تیز ہو۔ ذبح ایسے طریقہ پر ہو۔ کہ حیوان کی روح جلدی نکلے۔ قربانی کرتے وقت بسم اللہ سے پہلے یا بعد میں یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

---

[1] عالمگیری ج ۵/۲۹۷۔

[2] ہدایہ ج ۴/۳۸۲۔

اللھم منک ولک صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لاشریک لہ وبذلک امرت وانا من المسلمین[1]

اگر قربانی کے جملہ شرکاء ایک گھر سے وابستہ ہوں۔ تو گوشت تقسیم کرنا ضروری نہیں ورنہ اجانب کے لیے گوشت کی تقسیم میں تخمین اور اندازہ سے احتراز لازمی ہے باقاعدہ وزن کرنا ضروری ہے۔ ہرایک کو گوشت میں مکمل تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اگر خود کھائے یا دوسروں کو کھلائے۔ خواہ مساکین کو کھلائے یا اغنیاء کو کھلائیں۔ مگر بہتر یہ ہے کہ تین حصص کرکے فقراء، اقرباء اور اپنے گھر کی ضروریات کا خیال کرکے مساوی تقسیم کرے۔ لیکن گوشت کو فروخت کرنا جائز نہیں۔ اگر کہیں ایسی حرکت کی۔ تو گوشت کی آمدنی کی رقم کا تصدق ضروری ہے۔

چرم قربانی کا حکم

قربانی کی کھال کا حکم گوشت کی طرح ہے۔ جو ذاتی ضرورت میں کام آسکتی ہے۔ ایسا ہی فقراء کی طرح اغنیاء کو بھی دی جاسکتی ہے۔ بلکہ سادات کو بھی دینے میں کوئی حرج نہیں۔ تاہم کسی کو اجرت میں دینا صحیح نہیں قرب وجوار میں دینی ادارے اس کے بہترین مصارف ہیں تاہم قربانی کے گوشت یا چمڑے میں ہر اُس اقدام سے احتراز کرنا ہوگا۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا جذبہ مجروح ہوکر تمول کا شبہہ آتا ہو۔ اس لیے اگر کسی نے چمڑا فروخت کرکے رقم وصول کی۔ تو رقم کا ایسے مقام میں خرچ کرنا ضروری ہے۔ جس میں زکوٰۃ کی طرح تملیک ہو۔[2]

لہ۔ بدائع الصنائع ج ۵/ ۷۹۔

لہ۔ ہدایہ ج ۴/ ۳۸۲۔

Scanned with CamScanner

اسلامی عہد کے کتب خانے

علوم و فنون کی بقا و تحفظ کے لیے کتب خانوں کا وجود و قیام لازمی ہے۔ خدا نے مسلمانوں کو حکومت و فرمانروائی سے سرفراز فرمایا اور اقوام و ملل کے علوم و فنون کا وارث و امین بنایا تو انہوں نے بڑے خلوص اور حوصلے سے اس فرض منصبی کو ادا کیا۔ مسلمانوں نے اپنے عہد عروج و اقبال میں ایک طرف درس گاہیں اور یونیورسٹیاں قائم کر کے ہر طرف علوم و فنون کے چشمے جاری کر دیئے تاکہ تشنگان علوم و فنون ان سے سیراب ہوں اور دوسری جانب انہوں نے کتب خانوں کی تشکیل و تنظیم کی تاکہ علوم و فنون کے قدیم و جدید سرمائے محفوظ و برقرار رہیں۔ بقول ایک مؤرخ، عربوں کے علمی کارناموں میں سب سے زیادہ بڑا کام یہ ہے کہ انہوں نے حکمائے یونان کی کتابوں کو محفوظ رکھا۔ اگر مسلمان رومی اور یونانی سرمایۂ حکمت کی حفاظت نہ کرتے تو دنیا ان سے یکسر محروم ہو جاتی یہ یورپین علوم فنون کی موجودہ سر بفلک عمارت ان کتب خانوں ہی کی بنیادوں پر استوار ہے جو مسلمانوں نے اپنے عہد عروج میں قائم کئے تھے۔ یونانی علوم کے جو عربی تراجم ان کتب خانوں میں موجود تھے انہیں سے اہل یورپ یونانی علوم اور ارباب علوم سے روشناس ہوئے۔

مسٹر ای پی اسکاٹ کے بیان کے مطابق کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا۔ جہاں تشنگان علوم کو سیراب کرنے کے لیے کم از کم ایک چشمہ نہ ہو۔ ان کتب خانوں کی الماریاں ہر شخص کے لیے جو ان سے مستفیض ہونا چاہتا تھا۔ کھلی رہتی تھیں فن وار فہرستیں کتب خانوں میں مہیا رہتی تھیں تاکہ ہر شخص کو تمام کتابوں کے نام اور ان کے مضامین بہ آسانی معلوم ہو سکیں۔ بہت سی کتابیں نہایت صنعت سے مصلتا و مذہب ہوتی تھیں جو زیادہ قیمتی ہوتی تھیں ان کی جلدیں خوشبودار لکڑی اور گل دار چمڑے سے بندھی ہوئی ہوتی تھیں۔ اور بعض پر سونا اور چاندی جڑا ہوتا تھا۔"

Scanned with CamScanner

جوزیف میکاب، ایشلسٹ انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے کہ تمام (اسلامی) ممالک میں مطالعہ
کی سینکڑوں لائبریریاں تھیں جن میں کتابوں کی لاکھوں جلدیں ہر وقت موجود رہتی تھیں۔"

اطالوی خاتون ڈاکٹر اولگا پنٹو لکھتی ہے کہ "ان کے ہاں کتابوں سے متعلق ہر چیز کو
حیرت انگیز ترقی ہوتی رہی۔ چنانچہ کتابوں کی نقلیں کی جاتی تھیں اور ان کی اعلیٰ درجہ کی جلد بندی کی
جاتی تھی۔ ساتھ ہی نہایت احتیاط کے ساتھ ان کی حفاظت کی جاتی تھی اور یہ کتابیں دوسروں
کو بھی دی جاتی تھیں۔ اسلامی تہذیب کا گویا یہ ایک خاص مقصد اور اہم مشغلہ تھا۔ سلاطین اسلام
ان مکانات کی بڑی حفاظت کرتے تھے جو عام کتب خانوں کے لئے مخصوص ہوتے تھے۔ ان میں
بعض مثلاً شیراز، قرطبہ اور قاہرہ، ان کتب خانوں کے لیے علیحدہ علیحدہ عمارتیں تیار کرائی گئی
تھیں، جن میں مختلف کاموں کے لیے متعدد کمرے ہوتے تھے مثلاً گیلریاں جن میں کتابوں کی
الماریاں رکھی جاتی تھی اور وہ کمرے جہاں شائقین کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ بعض کمرے
ان کاتبوں کے لیے مخصوص تھے جو کتابیں نقلیں کیا کرتے تھے اور وہ کمرے جو مجالس علمیہ کے
کام آتے تھے۔ کہیں کہیں موسیقی اور غنا وغیرہ کے لیے بھی علیحدہ علیحدہ کمرے ہوا کرتے تھے یہ
کمرے نہایت آراستہ اور پیراستہ ہوتے تھے جن میں قالین، چٹائیاں وغیرہ بچھی ہوئی رہتی تھیں اور
جن میں شائقین مشرقی طرز سے دوزانو بیٹھ کر کاغذ یا ورق (پارچمنٹ) اپنے بائیں ہاتھ میں لیے
ہوئے لکھنے میں مشغول رہتے تھے کھڑکیوں پر چلمنیں اور پردے پڑے ہوتے تھے اور صدر دروازہ
میں خاص طور پہ ایک بھاری پردہ لگا رہتا تھا۔ کہ سرد ہوا اندر نہ داخل ہو سکے۔"

عیسائی مورخ جرجی زیدان کے قول کے مطابق مسلمانوں نے اس وقت کے تمام علوم و
فنون فلسفہ، طب، نجوم، ریاضی ادب، تاریخ وغیرہ وغیرہ کو جو تمام اقوام عالم میں رائج تھے،
اپنی زبان میں لیا اور امم متمدنہ میں کسی کو نہ چھوڑا جس کی زبان سے عربی کتابیں نہ جمع کی ہوں۔
یہ تمام علمی ذخیرہ صرف صدی ڈیڑھ صدی میں جمع کر لیا تھا۔ اور اہل روما پوری چار صدی تک بھی
یونانی علوم کو نقل نہ کر سکے تھے یہ مسلمانوں کی عجیب و غریب خصوصیت ہے جو دنیا کی کسی اور قوم
میں نہیں ہے۔ کہ انہوں نے اپنے تمدن کے تمام اسباب حیرت انگیز عجلت کے ساتھ مہیا
کر لیے۔"

مسٹر اسکاٹ لکھتا ہے کہ وہ میری آنکھیں ان کتب خانوں کو دیکھ سکی نہیں، جن میں ہزاروں
سکی ہیں ان کتب خانوں میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک فوج کی فوج مترجموں کی تھی جو زمانہ قدیم کے
بڑے بڑے علماء کی بہترین تصانیف کو عربی میں ترجمے کر رہے تھے۔ یہ مترجم ہر ایک طالب عالم
کی بالحاظ اس کی قومیت یا مذہب کے مفت خدمت کرنے کے لیے تیار رہتے تھے ہر ایک شہر
کی یہی ممتاز کیفیت ہے۔ دنیا بھر میں کسی جگہ قلب انسانی کے نشو و نما کے لیے ایسے مواقع
نہ تھے دنیا بھر میں کسی جگہ علم و ادب کی نہ ایسی خدمت ہوتی اور نہ اتنی قدر۔

تعلیمی نظام میں کتب خانوں کی ہمیشہ بنیادی حیثیت رہی ہے۔ مورخین کا بیان ہے کہ
قرون وسطیٰ کی اسلامی سلطنتوں میں ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ اور ہر مسجد کے ساتھ کتب خانہ
ہوتا تھا۔ مسجدوں کے علاوہ مشائخ کی خانقاہوں، علماء کے گھروں اور امراء کی ڈیوڑھیوں میں
بھی مدرسے اور کتابوں کے ذخیرے ہوتے تھے۔

اسلامی کتب خانوں کا نظام دیکھ کر واقعی حیرت ہوتی ہے۔ آج سے ایک ہزار برس
پہلے مسلمانوں نے اپنے کتب خانوں کے لیے جو نظام قائم کیا تھا موجودہ عہد کم و بیش اسی نظام پر
گامزن ہے۔ کتب خانوں کے نظم و نسق کے لیے مخصوص محکمے قائم تھے جن کے اخراجات کے
واسطے باقاعدہ بجٹ بنایا جاتا تھا۔ اسی کی تنظیم کے ہر شعبہ مثلاً کتابوں کی فراہمی، کتابوں کی فہرست
سازی، کتابوں کا اجراء، کتابوں کی ترتیب و نگہداشت، کتابوں کی جلدی، کتب خانہ کی عمارت
حفاظت و آراستگی وغیرہ پر خاص توجہ دی جاتی تھی (اسلامی کتب خانے)

کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے خالد بن یزید بن امیر معاویہ (متوفی ۸۵ھ) کو کتابوں کے
جمع کرنے کا خیال ہوا اسی کے حکم سے یونانی اور قبطی زبانوں کی کتابوں کو عربی جامہ پہنایا گیا۔

عبدالملک بن مروان (۶۵-۸۵ھ) کے عہد میں شاہی کتب خانہ نے اتنی اہمیت اختیار
کرلی تھی کہ جب سعید بن جبیر نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی تو اسے شاہی کتب خانے میں رکھا گیا عبدالملک
نے ہر فن پر کتابیں لکھوائیں جس نے کتب خانوں کی ترقی کے لیے زمین ہموار کر دی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز (۹۹-۱۰۱ھ) کے عہد خلافت میں تصنیف و تالیف کی ترقی
ہونے سے کتب خانوں کو بھی ترقی ہوئی۔ اس نیک بخت خلیفہ نے احادیث اور مغازی

کی طرف خاص توجہ دی۔ احادیث کے مجموعے تیار کرا کر تمام مملکت میں بھیجے۔ اس خلیفہ نے کت
خزانۃ الکتب کی ایک کتاب جو حکیم ماسرجویہ کی تھی سریانی زبان میں ترجمہ کرائی اور اس کو شائع
بنو العباس سے پہلے ولید بن یزید کے کتب خانہ میں کتابوں کی جو کثرت بیان کی گئی ہے اس سے کتب خانوں کی رفتار ترقی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ولید بن یزید کے قتل کے بعد جب روایت کا دفتر ولید کے کتب خانہ سے منتقل ہوا تو صرف امام زہری کی مرویات اور تالیفات گھوڑوں اور گدھوں پر لاد کر لائی گئیں (سیرۃ النبی ج ۱)

ابو جعفر منصور (۱۳۶ - ۱۵۸ھ) نے بغداد کی بنا ڈالی اور اسے دارالحکومت قرار دیا تو علوم و فنون کا مرکز بغداد منتقل ہو گیا۔ منصور پہلا خلیفہ تھا جس نے عربی کے علاوہ سُریانی اور زبانوں کی کتابیں جمع کیں اور سُریانی، سنسکرت وغیرہ کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ شروع ہوا۔

ہارون الرشید (۱۷۰ - ۱۹۳ھ) نے بغداد میں "دارالمعلم" یا "بیت الحکمت" کے نام سے ایک کتب خانہ قائم کیا۔ یہ ادارہ دو حصوں پر مشتمل تھا۔ ایک حصہ میں ہر علم و فن کی بڑی تعداد میں عربی کتابیں تھیں اور دوسرا حصہ تراجم سے متعلق تھا۔ شعبہ تراجم میں سنسکرت، فارسی، یونانی، قبطی وغیرہ زبانوں کی کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا۔

کتابیں جمع کرنے کے لیے ہارون نے مختلف ممالک میں اپنے قاصد بھیجے۔ ہند و پاکستان سے بھی طب اور ہیئت کی کتابیں منگوائیں۔ جرجی زیدان نے لکھا ہے کہ جو ملک فتح ہوتا تھا وہاں کا کتب خانہ جلایا نہیں جاتا تھا بلکہ وہ پایۂ تخت میں منگوا لیا جاتا تھا اور ان کتابوں کا عربی ترجمہ کرایا جاتا تھا۔ چنانچہ بلادِ روم کے عنقرہ اور عموریہ کی فتح کے موقع پر جب کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ مال غنیمت میں ہارون کو دستیاب ہوا تو اس نے کتابوں کو حفاظت کے ساتھ بغداد بھیج دیا اور اپنے عیسائی معالج یوحنا کو ان کا ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ (اسلامی کتب خانے)

مامون الرشید (۱۹۸ - ۲۱۸ھ) نے "بیت الحکمت" کو غیر معمولی ترقی دی۔ مامون کو غیر زبانوں کی کتابوں کی فراہمی کا بہت شوق تھا۔ اس نے لاکھوں روپے صرف کر کے کتابیں فراہم کیں۔ مصر، شام، ایران، ہندوستان و پاکستان وغیرہ سے کتابیں منگوانے کا خاص بندوبست کیا۔ غرض مختلف علوم و فنون کی بے شمار کتابیں ترجمہ کے لیے مہیا کرائیں اور ان سبھوں کو مع

Scanned with CamScanner

ترجمہ کرکے کتب خانے میں جمع کیا۔ مامون کی درخواست پر سسلی کے حکمران نے یونانی کتابوں کا
وہ ذخیرہ جو ایک مکان میں بند تھا۔ بغداد بھیج دیا تھا

بیت الحکمت سب سے پہلا عظیم الشان پبلک کتب خانہ تھا (لفہرست) جہاں مختلف
علوم و فنون پر مختلف زبانوں میں نہایت بیش قیمت کتابیں جمع تھیں۔ قرون وسطی کے مسلمانوں کی
علمی ترقی کے لیے وہ بہت بڑا مرکز تھا۔

بیت الحکمت میں دس لاکھ کتابیں تھیں۔

سہل بن ہارون، سعید بن ہارون اور سلام مہتمم تھے۔ ابن الندیم کے بیان کے مطابق یہ
حضرات نہایت اعلیٰ پایہ کے مصنف تھے۔

سلطان الپ ارسلان کے علم دوست وزیر نظام الملک طوسی نے اپنے ہر مدرسہ میں ایک
کتب خانہ بھی قائم کردیا تھا۔ مدرسہ نظامیہ بغداد کا کتب خانہ سب سے بڑا تھا۔ یہ کتب خانہ ۲۵۷ھ
میں قائم ہوا۔

۵۸۹ھ میں خلیفہ الناصر الدین اللہ نے اپنے ذاتی کتب خانے سے ہزاروں کتابیں یہاں
منتقل کردیں۔

ساتویں صدی کے نصف اول میں اس کتب خانہ کو ایک ہزار دینار کی قیمتی کتابوں کا ذخیرہ
ملا۔ اس کتب خانہ کی ایک نہایت عمدہ فہرست مرتب کی گئی تھی جسے ابن الجوزی نے دیکھا تھا۔ وہ
فرماتے ہیں کہ اس فہرست میں چھ ہزار کتابیں درج تھیں۔ (تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ)

المستنصر باللہ (۶۲۳-۶۴۰ھ) نے مدرسہ مستنصریہ قائم کیا۔ اس مدرسہ میں ابن الفرات کے
بیان کے مطابق ایک بڑا کتب خانہ تھا جس میں مختلف علوم کی نادر و نایاب کتابیں ایسی ترتیب
سے محفوظ تھیں کہ ہر طالب علم بآسانی ان سے استفادہ کرسکتا تھا اور جو لوگ ان مخطوطات کی
نقل کرنا چاہتے تھے ان کے لیے مدرسہ کی طرف سے قلم دوات اور کاغذ مہیا کیا جاتا تھا۔ طالب علموں
کے لیے چراغ بھی موجود تھے۔ پینے کا پانی ٹھنڈا رکھنے کے لیے تہہ خانوں کا بھی انتظام تھا۔ ہال
میں ایک ٹاور لگا ہوا تھا (الفرد گرام میراث اسلام ص۳۴۳)

شاہی محل سے مدرسہ مستنصریہ کے کتب خانے کے لیے ایک سو ساٹھ اونٹوں پر لاد کر نہایت

نفیس و نایاب کتابیں لائی گئیں (تاریخ الخلفاء) ابن عینہ العلوی کی روایت کے مطابق ان کتابوں
کی تعداد آٹھ ہزار تھی۔

یہ کتب خانہ الشمس علی الکتبی، مورخ ابن الساعی (متوفی ۶۷۴ھ) مشہور مصنف ابن النجار
متوفی ۶۲۳ھ کے زیر اہتمام تھا۔

شاہان عباسیہ کی طرح ان کے وزراء اور امراء بھی کتابوں کے بڑے شائق اور دلدادہ
تھے۔ کوئی وزیر۔ کوئی امیر اور کوئی عالم ایسا نہ تھا جس کے گھر میں کتب خانہ ہو۔ بقول عمر
ابو نصر مصنف الہارون بغداد کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں ایک کتب خانہ نہ ہو اور کوئی شخص
ایسا نہ تھا جسے کتابوں کے جمع کرنے کا شوق نہ ہو۔

یحییٰ برمکی کے پاس ایک عظیم الشان کتب خانہ تھا۔ بقول ابوعثمان بن عمر یحییٰ الجاحظ
اس کتب خانہ میں اتنی کتابیں تھیں کہ کسی بادشاہ کے پاس اس قدر نہ ہوں گی۔

فتح بن خاقان متوفی ۲۴۷ھ خلیفہ متوکل باللہ کا وزیر تھا۔ اس کے پاس ایک
بے نظیر کتب خانہ تھا اسی کتب خانہ کو علی بن یحییٰ المنجم نے ترتیب دیا تھا۔

علی بن یحییٰ المنجم (۲۷۵ھ) کے عالی شان محل میں ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا جسے
"خزانۃ الحکمت" کہتے تھے کتب خانہ کے ایک حصہ میں طلباء کے قیام کا بھی انتظام تھا۔
انہیں کھانا بھی دیا جاتا تھا۔

بہاء الدین دیلمی کے وزیر ابونصر شاپور ابن اردشیر متوفی ۴۱۶ھ نے بغداد کے محلہ کرخ میں
ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا تھا جو اسلامی دنیا کے بہترین کتب خانوں میں شمار کیا جاتا تھا
اولگا پنٹو کے بیان کے مطابق اس میں ایک لاکھ کتابیں تھیں۔ خوبصورتی اور وسعت کے لحاظ
سے کئی مصنفین نے اس کی بڑی تعریف کی ہے۔ یہ کتب خانہ "ساپور" کے نام سے مشہور ہے۔

الشریف الرضی متوفی ۴۰۶ھ ایک علمی مرکز "دار العلم الشریف الرضی" کے نام سے بغداد میں قائم
کیا تھا۔ یہاں ایک نہایت عمدہ کتب خانہ تھا۔ یہاں طلباء جو آتے ان کے تمام اخراجات الشریف
الرضی خود برداشت کرتے تھے۔ (تاریخ تعلیم و تربیت اسلام)

کتب خانہ محمد بن الحسین بغدادی ایک علمی عجائب خانہ تھا جس میں نایاب کتابیں، نادر

Scanned with CamScanner

...یہاں دستاویزات اور تحریریں مجتمع تھیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ... اسلام سے پہلے کی
... و اسلامی کتب خانے (۱)

اسحاق موصلی کا کتب خانہ موسیقی اور لغت کی اعلیٰ کتابوں سے معمور تھا۔ علمائے سلف ایک ... رسالے فن لغت ہی میں تھے۔ جعفر بن محمد بن حمدان موصلی متوفی ۳۲۳ھ نے اپنے شہر ... میں ایک نہایت عمدہ کتب خانہ قائم کیا تھا جہاں غریب طلباء کو مالی امداد بھی دی جاتی تھی۔

ابو علی بن سوار نے دو کتب خانے قائم کئے تھے یہاں طلباء کے کھانے کا بھی انتظام تھا۔ بصرہ کا کتب خانہ بہتر تھا۔ اور اس کی عمارت بھی۔ دوسرا کتب خانہ رام ہرمز میں تھا۔

خلیفہ واثق باللہ کے وزیر محمد بن عبدالملک کو کتابوں سے عمیق دل چسپی تھی اور صرف کتابوں کی نقل پر (۳) ہزار روپے صرف کرتا تھا۔

بنو عباس کے آخری خلیفہ مستعصم باللہ کے وزیر مویدالدین محمد بن العلقمی نے ایک کتب خانہ قائم کیا جو ڈاکٹر ڈریپر کے بیان کے مطابق عہد عباسیہ میں صرف بغداد میں ۳۶ کتب خانے تھے جن میں کتابوں کی مجموعی تعداد چار کروڑ سے کم نہیں تھی۔ کتابوں کی کثرت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہلاکو خان نے کتابوں کو دریائے دجلہ میں پھینکوا دیا، تو دجلہ میں ایک بند سا بن گیا ہے اور دجلہ کا پانی کتابوں کی سیاہی سے سیاہ ہو گیا اور عرصہ تک سیاہ رہا۔

خلفائے بغداد کی طرح خلفائے اندلس (اسپین) نے بھی بقول ایس۔ پی۔ اسکاٹ بڑے بڑے کتب خانے قائم کئے جن کی مثال نہیں ملتی۔ اندلس کے دارالسلطنت قرطبہ میں عظیم الشان کتب خانہ تھا۔ خلیفہ عبدالرحمن الناصر نے کتابوں کے جمع کرنے میں بڑی دل چسپی لی خلیفہ الحکم ثانی کو کتابوں کی فراہمی کا جنون سا تھا۔ مصر، شام، بغداد فارس وغیرہ میں اس کے آدمی متعین تھے جن کو حکم تھا کہ جہاں کہیں کوئی کتاب لکھی جائے شاہی کتب خانہ کے لیے خرید لی جائے خواہ اس کی قیمت کتنی ہی ادا کرنی پڑے۔ چنانچہ ابوالفرج اصفہانی نے "کتاب الاغانی" تصنیف کی تو الحکم نے چار ہزار روپے سے خرید کر اپنے کتب خانہ میں داخل کی۔ شاہی کتب خانہ میں چار لاکھ جلدیں تھیں۔ ان میں سے ایک لاکھ کتابیں اس طرح الحکم کی نظروں سے گذر چکی تھیں کہ ان پر اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے حاشیئے تھے۔ چوالیس جلدوں میں کتابوں کی فہرست تھی اس

میں ہر قوم وملت مثلاً یونان، روم، بیزنطین، مصر، فارسی، عبرانی، عربی کی تصانیف جمع تھیں۔ یہ وہ خزانہ تھا جو علماء کو محظوظ کرتا تھا۔ جاہل وہمیوں کو متحیر اسکاٹ کتب خانہ کی عمارت کے سلسلے میں لکھتا ہے کہ بہت بڑی عمارت بنائی گئی مگر کتب خانہ کے لیے کمتی نہیں ہوئی یہ عمارت شان و شوکت میں قصر شاہی سے کم نہ تھی، اس کا فرش نہایت قیمتی سنگ مرمر کا تھا دیواریں اور چھتیں بہترین سنگ خام کی جن پر سنگ سبز اور سرخ کی پچی کاری تھی۔ الماریاں نہایت قیمتی صاف شفاف لکڑیوں کی تھیں ان میں بعض لکڑیوں کو اس لیے انتخاب کیا گیا تھا کہ وہ مشکل الحصول تھیں اور بعض کو اس لیے کہ ان سے نہایت لطیف خوشبو نکلتی تھی۔ ہر ایک الماری پر سونے کے پتروں سے لکھا ہوا تھا کہ اس الماری میں کس مضمون کی کتابیں ہیں۔ جگہ جگہ دیواروں پر مختلف لوگوں کے اقوال سنہرے حروف میں لکھے ہوئے تھے تاکہ ان کو دیکھ کر لوگوں میں علم کا شوق اور بڑے بڑے علماء اور شعراء کے قدم بقدم چلنے کا خیال پیدا ہو دار الکتابت میں ایک فوج کی فوج کاتبوں اور جلد بندوں کی مقرر تھی۔ بہترین کتابوں پر سونا چڑھایا جاتا تھا اور ان کو نقش ونگار سے مزین کیا جاتا تھا۔ اس صنعت میں وہ لوگ ایسی کاریگری دکھاتے تھے کہ اب تک ان کی نقل نہ ہو سکی۔ اور نہ ہو سکے گی۔" (اخبار الاندلس)

اندلس کے وزراء اور امراء کو بھی کتابوں کی فراہمی اور کتب خانوں کے قیام سے بڑی دلچسپی تھی قرطبہ کے ہر امیر کے یہاں کتب خانہ ہوتا اور نادر نسخوں کو حاصل کرنے میں امراء ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے۔ ڈاکٹر جوزف ہیل کے بیان کے مطابق یہاں ہر شخص کو کتابوں کی فراہمی اور کتب خانے قائم کرنے کا بے حد شوق تھا۔ روسا میں باہم کتابیں جمع کرنے کے متعلق ہمیشہ مقابلہ رہتا تھا اور ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش میں رہتا، مورخ سیدیو لکھتا ہے کہ ممالک اسپین اور مغربی افریقہ کے بڑے بڑے شہروں اشبیلیہ، قرطبہ، غرناطہ اور طلیطلہ میں بہت بڑے بڑے کتب خانے اور مدرسے موجود تھے" ڈاکٹر اونگا پیٹو کا کہنا ہے کہ "اندلس میں ذاتی کتب خانے بے شمار تھے جن کو نہ صرف امراء اور اہل دول نے بصرف زر کثیر جمع کیا تھا بلکہ ان میں وہ غریب شائقین علم وفن بھی تھے" جنہوں نے اپنی قلیل آمدنیوں کو کتاب کی نذر کر دیا تھا اس قسم کے کتب خانے بتدریج جمع ہوتے تھے

جیسا کہ وہاں کے ایک مدرس محمد بن حزم نے قرطبہ میں رفتہ رفتہ ایک ایسا نفیس کتب خانہ قائم کر لیا کہ کئی اہل علم اس پر رشک کرتے تھے اور اس کی قلمی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے جن کو اس نے نہایت احتیاط کے ساتھ نقل کر کے بڑی حفاظت اور اہتمام سے رکھا تھا۔ اندلس میں جو یہاں کتب خانہ کے سب سے بڑے شیدائی قرطبہ کے قاضی فطیس بن سلیمان المعروف بہ ابو مطرف تھے ان کے پاس ایک بیش قیمت کتب خانہ تھا جس میں چھ کاتب ہمیشہ کام کرتے تھے۔ کتابوں کا سب سے بڑا ذخیرہ وزیر ابو جعفر احمد بن عباس کے پاس تھا۔ علامہ مقری کے بیان کے مطابق چار لاکھ مجلد کتابیں تھیں۔

مسٹر ای۔ پی اسکاٹ کے بیان کے مطابق ابن عباس کے محل کا کوئی حصہ اتنا پر تکلف اور شاندار نہ تھا جتنا کہ کتب خانہ۔ الماریاں۔ خوشبودار لکڑی کی تھیں اور ان میں ہاتھی دانت۔ سیپ اور کچھوے کی کھوپڑی سے منبت کاری کی ہوئی تھی۔ تمام کمرے میں سونے کا کام تھا۔ دیواروں پر سفالی کی اینٹیں تھیں جن سے تمام کمرہ جگمگاتا تھا۔ اور فرش سنگ مرمر کا تھا" شہزادہ احمد کی بیٹی عائشہ کا کتب خانہ بھی اندلس کے نفیس و مکمل کتب خانوں میں ایک تھا۔

قرطبہ میں ستر عام کتب خانے تھے۔

مصر کے فاطمی سلاطین نے بھی بڑے بڑے کتب خانے قائم کئے عزیز باللہ ثانی (زمانہ حکومت ۳۶۵ھ) نے ایک کتب خانہ بنام "خزائن القصور" قاہرہ میں قائم کیا اور اس کے وزیر یعقوب بن کلس اس کے حکم سے شاہی خزانہ کو بے دریغ صرف کیا۔ اس میں ترجمہ و تالیف کے لئے اس نے بڑی تعداد میں علماء بلوائے مختلف علوم و فنون کی سولہ لاکھ کتابیں چالیس کمروں میں رکھی ہوئی تھیں۔ کتب خانہ کا مہتمم علی بن محمد الشلبشتی متوفی ۳۹۰ھ تھا جو مشہور مصنف گذرا ہے۔

حاکم بامر اللہ بن عبد العزیز نے ۳۹۵ھ میں قاہرہ میں قصر عربی کے قریب ایک کتب خانہ قائم کیا جس کا نام "دار العلم" رکھا۔ اور اس کے اخراجات کے لیے ایک رقم خطیر مقرر کی۔ اس کتب خانہ کا جو فرش بنایا گیا تھا۔ وہ نہایت خوبصورت تھا اس کو جواہرات سے مزین کیا گیا تھا اور اس کے دروازے بلا تخصیص ہر ایک کے لئے کھلے تھے۔ اور اس کے قیام سے

Scanned with CamScanner

بھی غرض وہی تھی جو "بیت الحکمۃ" کے قیام سے تھی یعنی لوگ آئیں اور درس مطالعہ و تالیف کی برکات سے متمتع ہوں۔ (تاریخ التمدن جلد ۳)

قاہرہ میں مختلف زمانوں میں جو کتب خانے قائم ہوئے ان میں کتب خانہ محمودیہ نہایت قیمتی تھا۔ اس میں بہت سی کتابیں نامور علماء اور مصنفین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں۔

القاضی الفاضل نے اپنا مدرسہ ۵۸۰ھ میں قائم کیا جس میں مختلف مضامین کی ایک لاکھ بیس ہزار تھیں طلباء آزادی سے ان کتابوں سے استفادہ کرتے تھے۔

عہد دولت فاطمی میں طرابلس الشام میں ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا جس میں تین لاکھ کتابیں تھیں۔ یہ کتب خانہ دنیا کے عجائبات میں سے تھا اور بنوعمار نے اس پر پوری توجہ مبذول کی تھی۔ ایک سو اسی ملازم تھے جن میں سے تیس کاتب شب و روز کتابت کے لیے حاضر رہا کرتے تھے۔ پیدہ چیدہ کتابوں کی بہم رسائی کے لیے تمام شہروں میں بنی عمار کی طرف سے ایجنٹ مقرر تھے جو کتابیں خریدتے تھے۔ بنی عمار کے عہد میں طرابلس تمام تر "دارالعلم" (علم کا گھر) بن گیا تھا۔ جہاں اطراف و اکناف سے بڑے بڑے فضلا آتے تھے۔

(مورخ ابن الفرات بحوالہ اسلامی کتب خانے)

کتب خانہ کی ساری کتابوں کو انگریزوں نے جلا دیا (رامن ایمپائر جلد ۲) لیکن اس کے بعد نورالدین شام کا والی مقرر ہوا تو اس نے وہاں ایک کتب خانہ "خزالنوریہ" کے نام سے قائم کیا (تاریخ التمدن)

سلطان نورالدین اور سلطان صلاح الدین نے بھی متعدد کتب خانے قائم کیے۔

سلطان صلاح الدین کے وزیر قاضی عبدالرحیم نے کتابیں جمع کر کے اپنے قائم کردہ مدرسہ قاہرہ میں وقف کر دیں۔

بخارا کے بادشاہ نوح بن منصور (۳۶۶-۳۸۷ھ) نے ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا تھا جس میں نایاب کتابیں جمع کی گئی تھیں۔ علامہ ابن خلکان کے بیان کے مطابق یہ کتب خانہ بے نظیر تھا اور اس میں ایسی کتابیں بھی تھیں جو یہاں کے علاوہ کہیں نصیب نہیں ہو سکتی تھیں اور جن کو جاننا تو درکنار کسی نے ان کا نام بھی نہ سنا تھا۔ کتب خانہ کا مہتمم بوعلی سینا تھا۔

Scanned with CamScanner

اس کے بعد ان سے ... کی عمارت بہشت ...
... کے ... تھا۔

الصاحب بن عباد ... کا کتب خانہ ... بلایا تو اس نے یہ کہہ کر انکار کیا کہ اس
کی کتابوں کو لے جانے کے لیے چار سو اونٹوں کی ضرورت ہوگی۔ الیتیمہ کے مطابق کتابوں کی فہرست
دس جلدوں میں تھی۔

مشہور دیلمی بادشاہ عضد الدولہ (۳۳۸-۳۷۲ھ) کے شاہی محل (شیراز) میں ایک عالی کتب خانہ
تھا جس میں بڑے بڑے کمرے تھے۔ اس نے وہ ساری کتابیں فراہم کیں جو ابتدائے
اسلام سے اس وقت تک تصنیف ہوئی تھیں۔ مقدسی کا بیان ہے کہ میں نے تمام
ممالک اسلامیہ میں ایسی عمارت نہیں دیکھی اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ وہ بہشت کے نمونے کی
بنائی گئی ہے۔ ہر فن کے لیے جدا کمرے اور اس کی جداگانہ فہرست ہے۔

عضد الدولہ نے نیشاپور میں بھی ایک کتب خانہ قائم کیا تھا۔

شیراز میں ابو نصر سہل بن مرزبان کا کتب خانہ نہایت مشہور تھا۔ ابو نصر نے اپنی تمام
دولت کتابیں جمع کرنے میں صرف کر دی۔ (شبلی)

وزیر ابن العمید کے پاس ایک کتب خانہ تھا جس میں بیش قیمت کتابیں تھیں۔

حسین بن اسحاق متوفی ۲۶۰ھ کے کتب خانے میں علم طب کی کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا۔
یہ کتب خانہ اس زمانہ کے بہترین کتب خانوں میں شمار ہوتا تھا۔

طبیب المبشر بن فاتک کے پاس نایاب کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا۔

افرائیم بن افان متوفی ۵۰۰ھ کے پاس ایک عظیم الشان کتب خانہ تھا کسی مجبوری کے
باعث اپنے کتب خانہ کو دس ہزار کتابوں سے فروخت کرنے کا فیصلہ کیا۔

الموفق بن مطران متوفی ۵۸۷ھ کے کتب خانے میں تقریباً دس ہزار کتابیں تھیں۔

ہرات کے حاکم سلطان حسین کا وزیر اپنے زمانے کا مشہور عالم تھا اس کے کتب خانے
میں بہت بیش قیمت کتابیں تھیں۔ کتب خانہ کا منتظم خوند میر تھے طوس میں عہد ہجوم کتب خانے
قائم ہوئے ان سب کا سرتاج کتب خانہ مشہد مقدس ہے۔ یہ کتب خانہ صرف ایران ہی نہیں

بلکہ تمام علمی دنیا میں قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اب تک دستِ فنا کی زد سے محفوظ رہا۔ اور تقریباً ایک ہزار برس سے اس کا علمی فیض جاری ہے اس میں نفیس مخطوطات کا ایسا ذخیرہ موجود ہے۔ جو دنیا کے کسی دوسرے کتب خانہ میں نہیں۔

(اسلامی کتب خانے)

شمالی افریقہ میں بھی بہت سے کتب خانے تھے بعض اب بھی موجود ہیں۔ مثلاً کتب خانہ جامع زیتون تونس کتب خانہ رباط مراکش کتب خانہ مدرسہ تلمسان۔

تونس میں ابو ذکریا کا کتب خانہ سو برس تک ارباب ذوق کو فیض پہنچاتا رہا۔

ڈاکٹر لیسان کے بیان کے مطابق فاس کا ایک کتب خانہ بیش بہا یونانی اور لاطینی قلمی کتابوں سے معمور تھا۔

مرابطین خاندان کے حکمران یوسف بن تاشفین متوفی ۵۰۰ھ کے عہد میں مراکش کے کتب خانے کافی ترقی کر گئے تھے۔

موحدین کے عہد میں بھی کتب خانے قائم ہوئے ان میں ابو یعقوب کا کتب خانہ نہایت عظیم الشان تھا اس خاندان کے فرمانرواؤں میں عبدالمومن کے عہد میں بہت سی کتابیں آئیں۔

مرینی خاندان کے حکمران (۱۲۸۶ھ) کے عہد میں مدرسہ الصفارین کا کتب خانہ ان کتابوں سے بھرا ہوا تھا جو سلطان موصوف نے اسپین کے مغلوب بادشاہ سانچو کے پاس سے طلب کی تھیں (راونگا نیٹو) فخرالدین ماردینی طبیب کا کتب خانہ بہت بڑا تھا جسے اس نے اپنی وفات سے قبل حسام الدین بن ارتق کے کتب خانے میں شامل کر کے وقف کر دیا تھا۔

امین الدولہ بن التنید طبیب کے پاس اس سے بھی زیادہ شاندار کتب خانہ تھا۔

ابن القفطی متوفی ۶۴۶ھ جو ایوبی سلاطین حلب کا کئی مرتبہ وزیر ہوا شاید تمام مسلمان شیدایان کتب خانہ میں (جن کی تعداد کثیر ہے) سب پر سبقت لے گیا وفات کے بعد اس کے کتب خانہ کی قیمت ساٹھ ہزار دینار قرار پائی۔ قفطی کی وصیت کے بعد تمام کتابیں حلب کے حکمران الناصر کو دے دی گئیں۔

بنو موسیٰ بن شاکر کے کتب خانے میں غیر زبانوں کی بے شمار کتابیں تھیں جن کے ترجمہ

کے لیے حنین بن اسحاق حبش بن الحسن اور ثابت بن قرہ کو ملازم رکھا گیا (تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ)

دولت عثمانیہ کے سلیمان اعظم کے ذاتی کتب خانے میں ہزاروں کتابیں تھیں۔ سلطان محمود اول نے کتابوں کی فراہمی اور کتب خانوں کے قیام کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ اس نے پایۂ تخت قسطنطنیہ میں چار عظیم الشان کتب خانے قائم کئے۔

سلطان سلیم ثالث (۱۷۷۹ - ۱۸۰۷ء) کے عہد میں ایک فوجی کتب خانہ قائم ہوا۔ اس میں فنون جنگ اور ریاضیات کی کتابیں جمع کی گئیں (تاریخ اسلام جعفری)

علامہ شبلیؒ نے بہت سے کتب خانوں کے نام دیئے ہیں مثلاً کتب خانہ جامع ایا صوفیہ۔ کتب خانہ جامع بایزید۔ کتب خانہ حمیدیہ۔ کتب خانہ جامع محمد فاتح وغیرہ۔

راغب بادشاہ نے اپنی جیب خاص سے ایک کتب خانہ قائم کیا جو کتب خانہ راغب پاشا کے نام سے مشہور ہے۔

محمود غزنوی متوفی ۴۲۳ھ نے غزنی میں جو یونیورسٹی قائم کی تھی اس کے ساتھ ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا جس میں مختلف علوم و فنون کی بڑی تعداد میں کتابیں تھیں۔ فرشتہ کے بیان کے مطابق انواع و اقسام کی کتابیں مختلف زبانوں کی تھیں۔ اسی میں ایک عجائب گھر بھی تھا جس میں مختلف ممالک کی بہت سی نادر چیزیں اکٹھی کی گئی تھیں۔

مسلم شاہان ہند نے ہندوستان میں ایک طرف عالی شان عمارتیں بنوائیں اور دوسری طرف علوم و فنون کی زبردست خدمت کی اور یہاں کی قدیم اور مردہ علوم و فنون کی نہ صرف پوری طرح حفاظت کی۔ بلکہ انہیں دوبارہ زندہ کیا اور علمی مرکزوں میں پہنچا کر ترقی دی۔ مسلمانوں کا یہ احسان ناقابل فراموش ہے کہ انہوں نے اپنی وسیع النظری سے وید۔ رامائن اور دوسری مذہبی کتابوں کی فراہمی اور حفاظت میں بڑی کوششیں کیں اور ان پر بڑی بڑی رقمیں خرچ کیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ہندوؤں کی بے شمار مذہبی اور علمی کتابوں کا ترجمہ عربی اور فارسی میں کرایا اور اس طرح ہندو علوم کو ساری دنیا میں روشناس کرایا۔ مسلمان بادشاہوں نے ہندوستان میں مسجدوں مدرسوں اور کتب خانوں کا جال بچھایا۔ محمود غزنوی سے لے کر اورنگ زیب تک بیرون ہند و پاکستان سے بڑے بڑے علماء و فضلاء بڑی تعداد میں ہند و پاکستان آئے۔ یہ علماء خالی ہاتھ نہیں آتے بلکہ

Scanned with CamScanner

اپنے ساتھ علوم و معارف کے خزانے لے کر آتے بعض علماء اپنے ساتھ قیمتی کتابیں لائے بیان کیا جاتا ہے کہ محدث ہندوستان آئے تو اپنے ساتھ چار سو حدیث کی کتابیں لائے علماء اپنے ساتھ چالیس چالیس۔ پچاس پچاس اونٹوں پر کتابیں لاد کر چلتے لغات قاموس کے مجدالدین ہندوستان اسی طرح آئے ان کے ساتھ علم و فن کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔

مسلم شاہان ہند و پاکستان کو بھی کتابوں کے جمع کرنے کا شوق تھا۔ چنانچہ شاہی کتب خانوں میں کثیر تعداد میں کتابیں جمع کی گئیں اور ان کی فراہمی پر بے دریغ روپے صرف کیے جاتے۔ اسی طرح امراء، علماء، شہزادے اور شہزادیوں کو بھی کتابوں کے جمع کرنے کا بے حد شوق تھا ان کے کتب خانوں میں مختلف علوم و فنون کی کتابوں کے نادر نسخے جمع تھے۔

خاندان غلامان، خاندان خلجی، خاندان تغلق، خاندان لودھی کا تقریباً ہر فرد اعلیٰ درجہ کا ذوق رکھتا تھا۔

ڈاکٹر اور لگا منٹو کے بیان کے مطابق جب کہ اندلس کے عیسائی ایک طرف مسلمانوں کو کر "عربی تمدن" کے بجائے اپنا تمدن قائم کرنا چاہتے تھے اگر وہ خود بڑی حد تک عربی تمدن سے تھے) تو دوسری طرف مغلوں نے جو بہت کم مہذب تھے مذہب اسلام قبول کر لیا اور رفتہ رفتہ ان نو مسلموں میں بھی کتابوں کا شوق پیدا کر دیا۔ خاندان مغلیہ ہندوستان میں قائم ہوا تو سب سے پہلے "غذائے دماغی" کی ضرورت محسوس کی۔ تمام علوم و فنون کو ترقی دی اور ان کی حفاظت کی۔ چنانچہ ان کے عہد میں کتب خانے قائم ہوئے جن میں عربوں کے عظیم الشان تمدن ورثہ کے "باقیات الصالحات" جمع کیے گئے۔

مغل سلاطین نے خاص طور سے کتب خانہ کی طرف توجہ کی۔ ظہیر الدین بابر جب پاک و ہندوستان آیا تو اپنے اسلاف کے کتب خانوں سے بہترین نوادر کو منتخب کر کے ساتھ لایا۔ ان میں قیمتی ذخائر سے شاہان مغلیہ کے پہلے کتب خانے کی بنیاد رکھی گئی۔ جس میں عہد بہ عہد اضافے ہوتے رہے۔ (اسلامی کتب خانے)

ہندو پاکستان پہنچ کر بھی بابر کتابیں جمع کرتا رہا۔ لاہور کا غازی خان بڑا علم دوست تھا۔ اس کے کتب خانے میں خوش خط لکھی ہوئی کتابیں تھیں۔ لاہور آنے پر بابر نے اسی کتب خانہ پر

Scanned with CamScanner

ہوئی تھیں اپنے پاس رکھیں کچھ کتابیں ہمایوں کو دیں اور کچھ کامران کے لیے کابل روانہ کیں۔
ہمایوں کو کتابوں کے جمع کرنے کا بڑا شوق تھا چنانچہ اسی کے عہد میں شاہی کتب خانے میں
بڑی تعداد میں کتابوں کا اضافہ ہوا۔ شیر شاہ کی عمارت جو "شیر منڈل" کے نام سے مشہور تھی۔ ہمایوں
نے اس کی تیسری منزل پر کتب خانہ قائم کیا گیا۔ کتب خانہ کا مہتمم نظام المعروف بہ باز بہادر تھا۔
ہمایوں کا کتب خانہ اس لیے نادر کہا جاتا ہے کہ اس میں ریاضی اور نجوم کی نایاب اور منتخب
کتابیں جمع تھیں۔ (اکبر نامہ بحوالہ بزم تیموریہ)

عبدالرحیم خان خاناں کے پاس بھی ایک اچھا کتب خانہ تھا۔ اس نے کتابوں کی فراہمی
میں غیر معمولی اولوالعزمی اور حوصلہ مندی سے کام لیا تھا۔

جہانگیر نے بھی شاہی کتب خانہ میں اضافہ کیا۔ کتابوں اور تصویروں کی تعداد تقریباً ساٹھ
ہزار تھی۔ کتب خانہ آرٹ کی کتابوں کا بے بہا خزانہ تھا۔

شاہ جہاں کے عہد میں تاریخی کتابوں کا اضافہ ہوا۔

عالمگیر اورنگ زیب کے عہد میں شاہی کتب خانہ اسلامی علوم و ادب کا ایک مخزن بن
گیا تھا جس کے لیے اطراف عالم سے کتابیں حاصل کرنے کا انتظام کیا گیا تھا (اسلامی کتب خانے)

جون پور علمی و تعلیمی گرم بازاری کے باعث "شیراز ہند" کے لقب سے مشہور تھا۔
یہاں بڑے بڑے مدارس اور کتب خانے تھے۔

کشمیر میں سلطان بڈشاہ کا کتب خانہ نہایت نفیس اور وسیع تھا۔ مؤرخین اس کتب خانے
کو دنیا کے بہترین کتب خانوں میں شمار کرتے ہیں۔

برہان پور (خاندیس) میں ایک کتب خانہ تھا جس میں نایاب کتابیں تھیں فرشتہ کا بیان
ہے کہ یہ شاہی کتب خانہ کتنا بڑا تھا اور اس میں کیسی کیسی کتابیں تھیں اس کا اندازہ اس امر سے
ہو سکتا ہے کہ دربار اکبری کا شہرۂ آفاق عالم فیضی بھی اس کتب خانہ کا محتاج تھا۔

بہمنی خاندان (دکن) کے حکمران محمد شاہ ثانی کا وزیر خواجہ جہاں گیلانی (محمد گاواں) بڑا
علم دوست تھا اس کے کتب خانہ میں ۳۵ ہزار کتابیں مختلف علوم و فنون کی تھیں۔

علی عادل شاہ اول بیجاپور کے کتب خانے میں نایاب کتابیں تھیں۔ اس کا کچھ حصہ

Scanned with CamScanner

بیجاپور کے آثار مبارک میں اب تک موجود ہے بے شمار کتابیں اورنگ زیب عالمگیر گارڈاون میں
بھر کر دہلی لے گئے۔
آصفیہ خاندان (نظام حیدرآباد) نے بے شمار مدارس اور کتب خانے قائم کیئے۔
ٹیپو سلطان میسور کے کتب خانے میں عربی۔ فارسی۔ تلنگی۔ کیمسٹری۔ اور اردو کی کتابیں
تھیں میجر سٹوآر نے کتب خانہ کے مخطوطات کی ایک فہرست مرتب کی تھی جو ۱۸۰۸ء میں کیمبرج
میں چھپ کر شائع ہوئی۔
نوابین اودھ کے کتب خانوں میں تقریباً تین لاکھ کتابیں تھیں۔ نواب آصف الدولہ
سے لے کر نواب واجد علی شاہ تک کتب خانے ترقی کرتے رہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر کے بیان کے مطابق
ان کتب خانوں میں تین سو ملازم تھے۔
الفرڈ گرام کے الفاظ میں جب یورپ کے کتب خانوں کا تمام گراں بہا مواد علم و تحقیق کی
اس وقت معلوم ہوگا کہ قرون وسطیٰ کی تہذیب پر عربوں نے جو پائیدار اثر چھوڑا وہ انتہائی عظیم تھا
پورا اندازہ اب تک نہیں کیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کبیرہ گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کو گالیاں دے۔ صحابہؓ نے پوچھا' یا رسول اللہ! کیا کوئی آدمی اپنے ماں باپ کو بھی گالیاں دے سکتا ہے؟ تو فرمایا' ہاں' (وہ اس طرح کہ) یہ شخص کسی دوسرے شخص کے باپ کو گالی دے گا تو وہ اس کے باپ کو گالی دے گا اور یہ شخص اس کی ماں کو گالی دے گا تو وہ اس کی ماں کو گالی دے گا"۔ (صحیح مسلم)